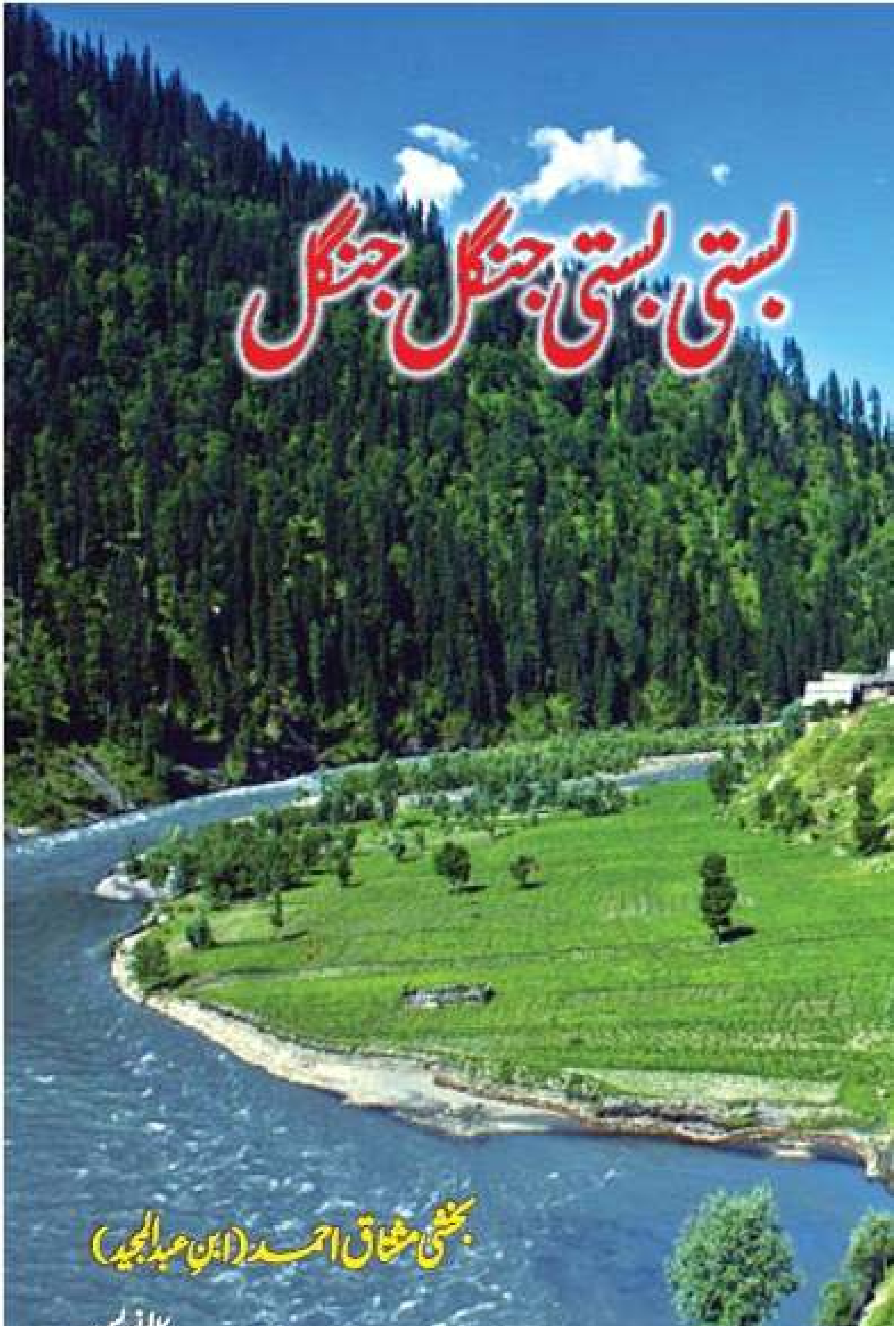

بستی بستی جنگل جنگل
بخشی مشتاق احمد (ابن عبدالمجید)
کالم نویس

بستی بستی جنگل جنگل

بخشی مشتاق احمد (ابن عبدالمجید)
کالم نویس

ISBN-978-81-923711-9-1

نام کتاب :...... بستی بستی جنگل جنگل

مصنف :...... بخشی مشتاق احمد (ابن عبدالمجید)

پبلشر :...... میزان پبلشرز سرینگر

سال اشاعت:......2021ء

تعداد :...... 500

کمپوزنگ :......سجاد بٹ بارہمولہ / عبدالمنان گورسی سری نگر 7006623882

سرورق :...... مسرت دانش

قیمت :...... 200/=

پتہ :......چوگل، ہندوارہ، کشمیر 193221

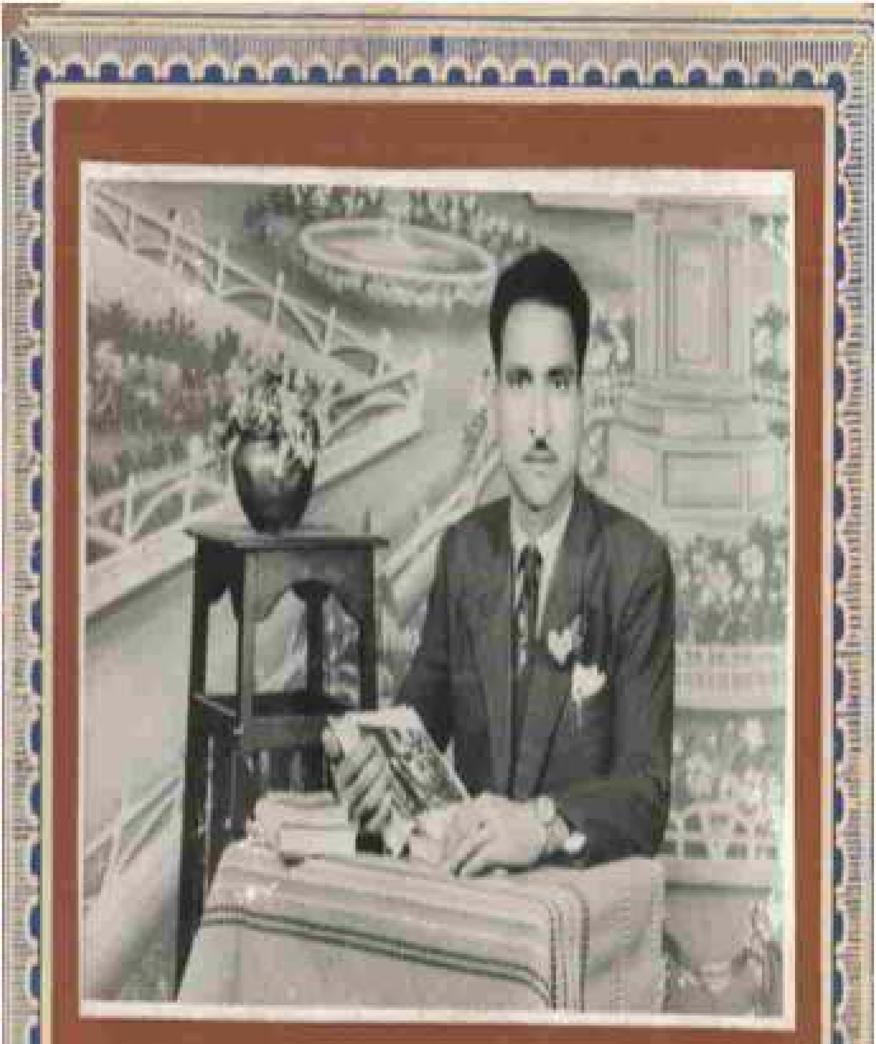
موبائل :...... 9906520808 / 9469915565

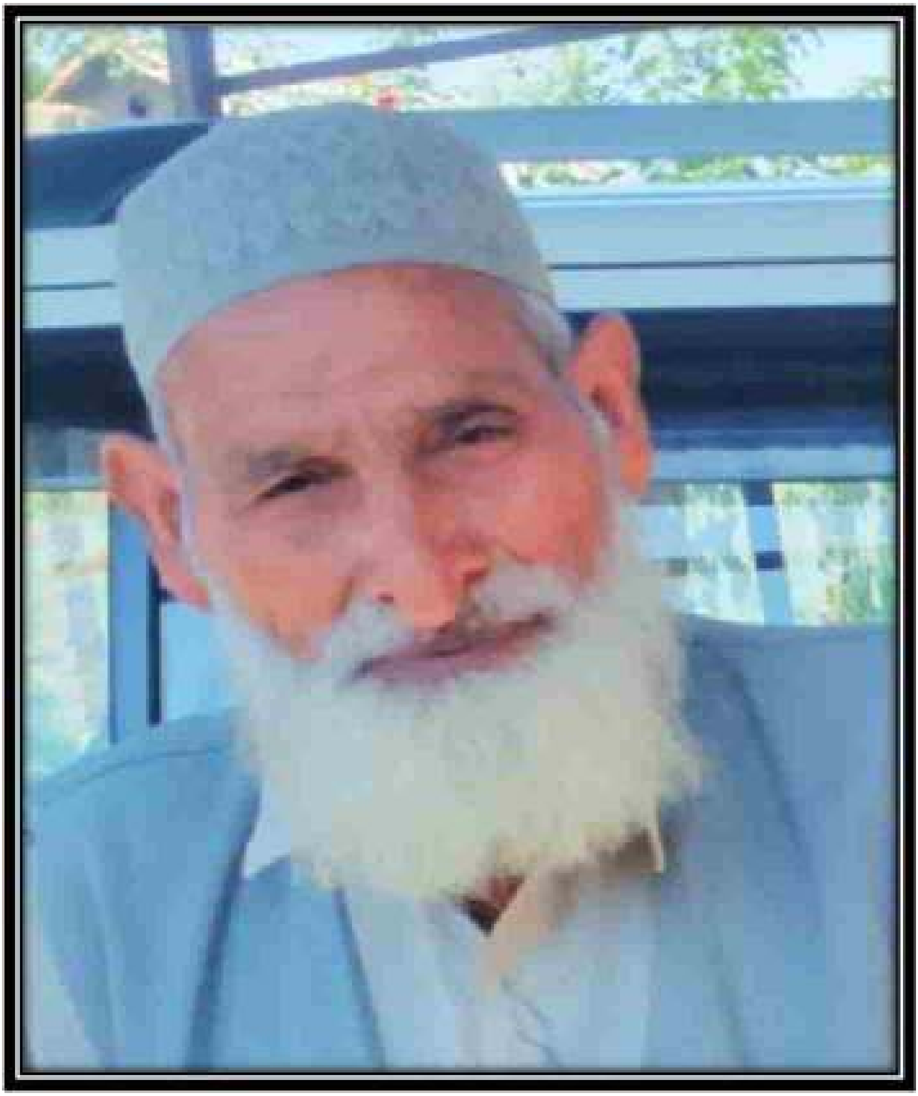
انتساب

اپنے والدین کے نام

جن کی محنت ومشقت اور دعاؤں کے طفیل میں زندگی کے

نشیب وفراز میں کامیاب رہا اور آگے بڑھنے کی ترغیب ملی۔





فہرست

رشحاتِ فکرونظر

متفرقات

☆☆

سخنے چند

خامۂ حق کی تحریک سے کائنات کا وجود منتج ہوا اور لوح محفوظ میں مخلوق کا مقدر از ابتدا تا انتہا متعین ہوا۔ مالک الملک کی ذات اقدس کو متعارف کرنے میں قلم اور کتاب وسیلہ بن گئے۔ اسی وساطت سے علم کی تجلی عام ہوگئی۔ اسی سے انسانی تہذیب ارتقاء پذیر ہوئی۔ علم کے خزانوں میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ آگہی ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتی رہی۔ یہ درست ہے کہ کتاب کا ہم پلہ نعمل البدل تا ایں دم میسر نہیں ہوسکا ہے۔ اور دورِ جدید کے ایجاد کردہ جملہ بدل کھوٹے اور سقیم ثابت ہوگئے۔ اس طرح کتاب کی بے مثل پاکیزگی اور فیضان مستند ہوگئے۔ زیرِ نظر کتاب بخشی مشتاق احمد کی دوسری کاوش ہے۔ چنانچہ مصنف ایک ہمہ جہت نگاہ کے مالک ہیں۔ متذکرہ تصنیف ان کی بصیرت کی ترجمان ہے اور ان کی منفرد شخصیت کی پہچان کے لئے ایک دریچہ وا کرتی ہے۔ بخشی صاحب آس پاس کے ہر تغیر کا جائزہ لیتے ہیں۔ ماحول کے تنزل سے مایوس اور ہر کثافت سے متفکر ہوجاتے ہیں۔ ماحولیات کے تحفظ کی فکر ہمہ وقت ان کے دامن گیر رہتی ہے۔ عمیق سماجی شعور رکھنے کے ساتھ ساتھ موصوف انسانی ہمدردی کے وصف سے آراستہ ہیں۔ ہم عصر سماجی نقائص پر ان کی رائے دوٹوک ہے جس کے اظہار سے کبھی قاصر نہیں رہتے ہیں۔ زیرِ نظر تحریر ان کے بے نظیر شوق و ذوق کی آئینہ دار ہے۔

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ !!!

غلام محمد وانی (سابقہ منصف)

میدانِ چوگل ہندوارہ

آرزوئے اُستاد

عزیز القدر محترم راہیؔ مشتاق احمد بخشی کشمیر فارسٹ ٹریننگ انسٹچوٹ چتر نار بانڈی پورہ میں جہاں کشمیر سے وابستہ جنگلات کے حفاظتی عملہ واہلکاروں کو سرکاری طور پر ٹریننگ دی جاتی ہے میرے شاگرد رہے ہیں اور میں وہاں چند سال بحیثیت پرنسپل ٹریننگ انسٹیچوٹ تعینات رہا ہوں۔ اگر چہ ہم سب اس دنیائے فانی کے راہی ہیں مگر یہاں صرف چند ذی حس لوگ ہی راہ چلتے چلتے آس پاس سے گزرنے والی چیزوں کا مشاہدہ کرکے اپنے احساسات، جذبات، تجربات اور مُشاہدات کو ساتھ ساتھ قلمبند کر کے دوسروں تک اپنی علمی صلاحیت کے مطابق تعمیری تجاویز کے ساتھ پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ راہی مشتاق بھی بحیثیت طفلِ مکتب اس کارواں میں شامل ہوکر رواں دواں ہیں۔ عام اُستاد کی طرح میرے دل کو مسرت ہے کہ میرا شاگرد اپنے زورِ قلم سے اس ریاست کے ویران جنگلوں کو بچانے میں حتی المقدور کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کو اپنے نیک مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب و کامران کردے۔ رضائے الٰہی نصیب ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ راہیؔ مشتاق کو پیارے نبی ﷺ کی ماحول سے متعلق تعلیمات کا ترجمان بنا کر خدمت خلق اللہ کی راہ پر گامزن رکھے تا کہ ناپائیدار دُنیا کے ماحول کے ساتھ ساتھ ہم سب کی آخرت بھی سنور جائے۔ (آمین)

الداعی:......بشیر احمد وانی

ریٹائرڈ ڈپٹی کنزرویٹر فارسٹس بڈگام کشمیر

تقریظ

اس بات پر مجھے بے حد خوشی محسوس ہورہی ہے کہ ادارہ ایشن میل سے وابستہ صحافی اور قلمکار حضرات نہ صرف اپنے قلم سے نکل رہے جذبات، احساسات وگزارشات مضامین کی شکل میں قارئین حضرات تک پہنچانے میں بحیثیت ذی حس انسان اپنا فرض نبھاتے ہیں بلکہ ان مضامین کو کتابی شکل دے کر اس مواد کو آنے والی نسلوں کیلئے محفوظ بھی کرتے ہیں۔ اس سے قبل اس ادارے سے وابستہ عبدالمجید خان نوشہری نے ''راہی دیکھتا ہے جہلم کے کنارے'' ایک مخصوص کالم کو کتابی شکل دے کر'' کچھ دور کی کچھ پاس کی'' نام سے ایک بہترین کتاب شائع کی جس کو عوامی حلقوں میں پذیرائی حاصل ہوئی۔ اب بخشی مشتاق صاحب جو کہ پیشے سے سرکاری ملازم ہیں نے اسی طرح کی ایک کوشش کرتے ہوئے ایشن میل اور دیگر روزناموں میں چھپے مضامین پر مشتمل ایک کتاب ''بستی بستی جنگل جنگل'' کے نام سے منظر عام پر لائی ہے۔ ان مضامین میں جہاں جنگلات جیسے سبز سونے کی اہمیت وافادیت بیان کی گئی ہیں وہیں اہل وادی کو یہ آئینہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ کس طرح ہم اپنے اردگرد کے ماحول کو تباہ و بُرباد کرنے کیلئے خود ہی ذمہ دار ہیں۔ بخشی مشتاق نے اس کتاب کے ابتدائی کلمات میں اپنے والد مرحوم کا اظہار کیا ہے اور چند نظمیں بھی تحریر کی ہیں اس بات سے یہ اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ بخشی مشتاق نہ صرف ایک بہترین قلمکار ہے بلکہ ایک صالح فرمابردار اولاد بھی۔ ہم دُعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مشتاق صاحب کو مزید زورِ قلم عطا کریں اور اپنے حفظ وامان میں رکھیں۔

رشید راہلؔ

مدیر اعلیٰ روزنامہ ایشن میل سرینگر

چند تاثرات

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ وادیٔ کشمیر جہاں اپنے لاجواب حسن و جمال، منفرد جغرافیائی خدوخال اعلیٰ وارفع تہذیبی روایات کے ساتھ ساتھ علمی وادبی معیار کے اعتبار سے پوری دنیا میں روز روشن کی طرح چھایا ہوا ہے۔ وہیں شمالی کشمیر کے عین وسط میں واقع چوگل ہندواڑہ کی زرخیز زمین بھی ایک درخشاں ستارے کی طرح چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔ جہاں پر شیخ احمد چوگلی، مولوی ولی شاہ، غلام قادر مسالہ اور اُن کے فرزندار جمند جسٹس بشیر کرمانی اور پروفیسر مشتاق، غلام محمد وانی (سابقہ منصف) مرحوم پیر غلام حسن، بخشی گلاب، بخشی امیر الدین اور بخشی عبدالمجید جیسے لوگوں نے جنم لیا ہے جو اپنی اپنی منفرد صلاحیتوں اور خوبیوں کی وجہ سے ضلع کپواڑہ کی بہترین شخصیات کی فہرست میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اسی متذکرہ بالا بخشی خاندان کے چشم و چراغ محترم مشتاق بخشی صاحب کی لکھی ہوئی کتاب ''بستی بستی جنگل جنگل'' پر رائے زنی کرنے پر راقم مسرت اور افتخار محسوس کر رہا ہے۔۔۔۔۔!

محترم مشتاق احمد بخشی صاحب پیشے سے محکمۂ جنگلات کے ملازم ہیں تاہم آپ "Daily Asian Mail" سے منسلک ہوکر اسی روزنامہ کے کالم نویس کے علاوہ سینئر جرنلسٹ کے طور پر بھی کام کرتے ہیں۔ زیرِنظر کتاب مصنف کے بلند خیالات، مثبت سوچ، جذبۂ ایثار، فکر آخرت، سماجی بیداری کی فکر اور اپنے والد محترم کے تئیں ان کی والہانہ محبت کا عندیہ دیتی ہے۔

واضح رہے کتاب کے ابتداء میں ہی انہوں نے اپنے مرحوم والدمحترم جناب بخشی عبدالمجید کی جُدائی کا غم نثر اور نظم کی صورت میں کتاب کی زینت کو دوبالا کرنے کیلئے تحفتاً درج کیا ہے جس میں والدمحترم سے اُن کا احترام، اُلفت ومحبت اور اُن کی جُدائی جذباتی اور احساساتی تاثیر کے ساتھ قلم بند کرکے اپنے دل کے بوجھ کو ہلکا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ راقم الحروف واقعی ان جذبات اور احساسات سے متاثر ہوکر مشتاق احمد بخشی صاحب کے کردار کوسلام پیش کرتا ہے۔ اگرچہ نظم شاعری کے پیمانے پر کھرا اُترنے سے عاری نظر آتی ہے تاہم اُن کا جذبہ ایثار اور والدین سے بے پناہ محبت اور عقیدت کا برملا اظہار ان کے بڑے پن کا بین ثبوت پیش کرتا ہے۔۔۔! جو آج کل کے نوجوانوں میں مفقود نظر آتا ہے۔

قارئین کرام! اس کے بعد نثر سے جُڑے ہوئے جو مضامین مصنف نے درج کئے ہیں وہ اُن کی صحافت سے وابستگی اور شوق کی بنیاد پر وقتاً فوقتاً Daily Asian Mail اور روزنامہ تعمیل ارشاد میں شائع ہوئے ہیں۔ مضامین پر مشتمل ان کا ادبی سرمایہ ہے۔ ان مضامین سے بھی مصنف کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر قوم کی غفلت شعاری اور لاپرواہی سے دِل برداشتہ ہوکر اصلاح معاشرہ جیسے بڑے کام کو ہاتھ میں لیکر اپنی شیرین بیانی سے انجام دیتے ہیں اور مختلف النوع مضامین پر قلم اُٹھا کر قوم کی بے لوث خدمت کرنے میں مگن نظر آتے ہیں جو انسان کا اصلی کام بھی ہے اور مقصد حیات بھی۔

میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں زورِ قلم عطا کرے تاکہ وہ قوم کی صحیح رہنمائی کرنے میں کوئی دقیقہ فرد گزاشت نہ کریں۔ میں ذاتی طور پر مصنف کی اس پہلی ادبی کاوش کی سراہنا کرتا ہوں اور قارئین کرام کو بھی مصنف کی حوصلہ افزائی کرنے پر پیشگی شکریہ ادا کرتا ہوں۔!

خلوص کیش

ماسٹر سید جاوید مسرور ہریل

ممبر جوئے ادب کائج ناگ کشمیر

حرفِ چند

قدرت نے بنی نوع انسان کو ان گنت اور انواع واقسام نعمتوں سے نوازا ہے جنہیں انسانی عقل شمار کرنے سے قاصر ہے' مثلاً ہوا، پانی ، پیڑ پودے ، چرند و پرند، کوہ و بیابان ،سبزہ زار ،سرسبز وادیاں، نہ جانے اور کیا کیا ؟ ان ہی بے شمار نعمتوں میں ایک انمول اور دل لبھانے والی عظیم نعمت جنگل ہے۔ یہ وہ سرسبز سونا اور نعمت غیر مترقبہ ہے اور قدرت کی طرف انسان کے لئے ایک نایاب دولت ہے جس میں انسان کو قسم قسم اور نگارنگ نعمتیں دستیاب ہیں۔ دراصل اس کتاب کا بیشتر حصہ جنگل کی اہمیت، افادیت اور ماحول کے بچاؤ میں جنگل کا رول اور اس کے بے دریغ کٹاؤ کے نقصانات کے مختلف پہلوؤں کو محیط ہے۔اس لیے جنگل کے تعلق سے کچھ واجبی سی گفتگو ہوجائے۔ چونکہ جنگل زمین کے اس قطعہ کو کہا جاتا ہے جس پر بڑی تعداد میں درخت، پیڑ پودے ہوں۔ جانوروں کی کئی اقسام کو اپنی بقا اور زندگی کے لیے اشد ضرورت ہوتی ہے۔ جنگلات دنیا میں تقریباً ہر جگہ پائے جاتے ہیں اور ان کی ماحولیاتی اہمیت کے سبب نہایت ہی قدر سے دیکھے جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہمارے یہاں بالخصوص وادیٔ کشمیر میں جنگلات کے کٹاؤ کا عمل مسلسل جاری ہے۔اس کی بڑی وجہ بڑھتی ہوئی انسانی آبادی ہے جس کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے جنگلات کا بے دریغ کٹاؤ کیا جارہا ہے۔اس کے کٹاؤ کی وجہ سے نہ صرف ماحول بلکہ انسان اور دوسرے جانوروں کی حیاتیاتی تنوع پر برے اثرات پڑ رہے ہیں۔

جنگلات کسی بھی ریاست یا ملک کی معیشت کا لازمی جز ہیں اور ریاست کے اہم وسائل

میں سے ایک ہیں۔ یہ عمارتی لکڑی اور جڑی بوٹیوں کی ضرویات کو پورا کرتے ہیں اور یہ لکڑی فرنیچر، کاغذ، ماچس اور کھیلوں کا سامان تیار کرنے میں استعمال ہوتی ہیں۔ درجہ حرارت کو اعتدال پر رکھنے اور موسم کو خوشگوار رکھنے میں یہ اہم رول ادا کرتے ہیں اور زمین کی زرخیزی کو برقرار رکھنے میں خاصی مدد دیتے ہیں۔ جنگلات سے حاصل شدہ جڑی بوٹیاں ادویات میں استعمال ہوتی ہیں۔ جنگل کو جانوروں اور پرندوں کا آماجگاہ کہا جاتا ہے یہاں بے شمار جنگلی جانور یعنی شیر، چیتے، ہرن وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھیڑ، بکری، گائے جیسے حیوانات اپنی غذا انہیں جنگلات سے حاصل کرتے ہیں اور مختلف اقسام کے جانوروں اور پرندوں کی آفزائش اور نشو ونما کا ذریعہ بھی ہیں۔ جنگلات زمین کے حسن و دلفریبی میں اضافہ کرتے ہیں، انسانوں کے تفریحی مقامات کے کام آتے ہیں اور لوگ ان کے خوبصورت اور حسین مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ یہ پہاڑوں پر جمی ہوئی برف کو تیزی سے پگھلنے سے روکتے ہیں اور زمین کے کٹاؤ پر بھی قابو رکھتے ہیں اور انسانوں اور قدرتی نباتات کو تیز رفتار آندھی اور طوفان کی تباہی اور بربادی سے محفوظ رکھنے میں مدد کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں جنگلات کے بہت سے فائدے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ قدرت کی عظیم نعمت کا شکر ادا کریں اور ماحول کو حسین اور صاف وشفاف رکھنے کے لئے زیادہ سے زیادہ پیڑ پودے لگائیں ہمارے یہاں پر جنگلات کو بے دردطریقے سے کاٹا جارہا ہے سمنگلنگ کر کے اور دوسرے جائز و ناجائز طریقوں سے جنگلات کے اس بیش بہا جزانے کو بڑی بے دردی سے ختم کیا جارہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ماحولیاتی توازن بھی بری طرح متاثر ہورہا ہے۔ اس کے علاوہ سماج کے اطراف واکناف میں وقوع پذیر دیگر مسائل ومصائب کے تعلق سے کئی دلچسپ تحریریں شامل کتاب ہے۔

بستی بستی جنگل جنگل گھوما میں
لیکن اپنے گھر میں آکر سویا میں (ظفر تابش)

بخشی مشتاق احمد ایک حساس اور باشعور ذہن کے مالک ہیں۔ وہ اپنے گردونواح کے سماجی ،سیاسی ،تہذیبی ،اخلاقی اور قومی مسائل ومعاملات کا گہرا فہم وادراک رکھتے ہیں اور ان مسائل و

معاملات کو حتی الوسع اپنے قلم کے ذریعہ اجاگر کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اس کوشش میں وہ کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں' وہ کتاب کے مطالعہ سے ظاہر ہے۔ یہ تحریریں دراصل موصوف کی ان کاوشوں کا نتیجہ ہے جو اس نے وقتاً فو قتاً وادی کے مختلف موقر روزناموں میں کالموں کی صورت میں لکھی ہیں، ان کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مصنف اپنے سماج کے تئیں کس قدر فکر منداور سنجیدہ ہے اور سماجی مسائل و معاملات پر کس قدر گہری نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔ اس کتاب کے بیشتر موضوعات ایسے واقعات اور امور پر مبنی ہیں جو آے روز ہمارے سماج کے گرد و پیش میں رونما ہوتے رہتے ہیں مثلاً جنگلات کا بے تحاشا کٹاؤ اور اسمگلنگ، اخلاقی قدروں کی پامالی، ماحولیاتی آلودگی، بے روزگاری، سڑک حادثات، بے حیائی و بے پردگی، بال مزدوری (Child Labour)، نشہ خوری وغیرہ ہیں' تاہم مصنف نے زیادہ تر نگارشات جنگلات کی اہمیت، اس کے بے دریغ کٹاؤ، اس کے تحفظ اور محکمۂ جنگلات کے عدم توجہی کے حوالے سے قلم بند کی ہیں۔

بخشی مشاق احمد ایک نومشق اور نو آموز قلم کار ہے اور اس اعتبار سے موصوف کی یہ کاوش لائق ستائش ہے کہ اس نے اپنے قلم کو جنبش دے کر کئی موضوعات پر اپنے خیالات، تجربات، مشاہدات اور تاثرات کو صفحہ قرطاس پر بکھیر کر احسن طریقے سے اس کام کو انجام دیا ہے۔ چونکہ یہ موصوف کی اولین کوشش ہے اس وجہ سے کتاب میں کچھ کوتاہیاں اور کمیاں رہی ہوں گی کیونکہ لکھنا ایک مسلسل عمل ہے اور اس میں ہمیشہ خوب سے خوب تر کی گنجائش موجود ہوتی ہے۔ اس لیے ہم پُر امید ہیں کہ بخشی مشتاق احمد کالم نویسی کا یہ سفر جاری و ساری رکھیں گے اور اس تناظر میں یہ کتاب ان کے لیے ایک سنگ میل ثابت ہوگی، بشرط یہ کہ موصوف مطالعہ و مشق کو اپنے لیے وظیفۂ حیات بنائے۔ توقع ہے کہ قارئین اس کتاب کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ مصنف کو اس کی اشاعت پر دلی مبارک باد۔

ع اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے!

سری نگر

یکم جنوری ۲۰۲۱ء

اقبال افروز (کلچرل اکیڈیمی)

اعتراف

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قدرتی وسائل سے کرہ ارض پر زندگی رواں دواں ہے گر قدرتی وسائل نہ ہوتے تو زندگی میں جینے کا سامان مہیا نہ ہوتا ایک بنی آدم کو زندہ رہنے کے لئے ہوا، پانی کے علاوہ غذا کی ضرورت ہوتی ہے پہننے کے لئے کپڑے رہنے کے لئے مکان غرض جنم سے مرنے تک ان چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ ساری چیزیں قدرتی وسائل سے ہی حاصل کی جاتی ہے ہوا، پانی، جنگل، نباتات وغیرہ یعنی کرہ ارض پر جو بھی شئے پائی جاتی ہے اللہ کی تخلیق کی ہوئی ہے۔ قدرتی وسائل پر غور وفکر کرنا صحیح ڈھنگ سے استعمال کرنا اگلی نسل کیلئے محفوظ رکھنا ہماری ذمہ داری بنتی ہے۔ غور کیا جائے تو ایک انسان دنیا میں ذی حسی کا کم اور غفلت کا زیادہ مظاہرہ کرتا ہے قدرتی وسائل کو پاؤں تلے روند کر بغیر علم حاصل کئے ہوئے ہم نے اپنی زندگی بھی اجیرن بنا کے رکھی ہے اور آنے والی نسل کیلئے بھی جہنم کا گڑھا کھود کے رکھا ہے۔ یہی آگ سینے میں لئے ہوئے زیر نظر کتاب ''بستی بستی جنگل جنگل'' اپنی ایک حقیر اور حتی المقدور کوشش کر کے منظر عام پر لائی گئی ہے۔ چاہیے سماجی، معاشی معاملہ ہو، ماحول کی آلودگی ہو یا صحت کے بارے میں لاپرواہی۔ اخلاق، تہذیب، تمدن ہو یا مذہبی معاملات، من گھڑت بحث ومباحثہ میں ہی وقت کو ضائع کرتے ہیں۔ اصل اور زمینی حقائق سے چشم پوشی کر کے ہم نے اپنے آپ کو ذہنی لاغر بنا دیا ہے۔ ضرورت ہے غفلت کی دنیا سے باہر آ کے پھولوں کے چمن کو اپنا حقیقی رنگ دینے کی۔

پیش نظر کتاب کو منظر عام پر لانے کا مدعا اور مقصد صرف یہ ہے کہ خدمت خلق کے جذبہ کے

تحت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کروں۔ چونکہ جنگل اللہ تعالیٰ کی طرف سے قدرتی وسائل کی صورت میں ہمیں ایک بہت بڑی نعمت ملی ہے لیکن لاعلمی کی وجہ سے ہم ان جنگلوں کی حفاظت کر سکے نہ ان کو ہم کسی خاص مقصد کے لئے بروئے کار لا سکے۔ اس قومی سرمایہ (جس کو ہم نے سبز سونے کا لقب بھی دیا ہے) کا بڑھاوا اور لوگوں میں جنگلوں کے حوالے سے شعور پیدا کرنا میرا خاص مقصد ہے۔ جس کے لئے آپ کی دُعاؤں اور نیک مشوروں کی ضرورت ہے۔ لوگوں کے مسائل کو اُبھار کر وقت کے حاکموں کے اندر احساس ذمہ داری بیدار کرنا دلی تمنا اور جذبہ ہے۔ دُعا ہے کہ رب الکریم اس جائز مقصد میں کامیابی عطا فرمائے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر بجالاتا ہوں جس نے مجھے اظہار رائے کرنے کے قابل بنایا مجھے قلم جیسی نعمت عطا کی۔ اپنے والدین کا بے حد ممنون و مشکور ہوں کیونکہ صحیح معنوں میں یہ اُنہی کے دُعاؤں کا ثمرہ ہے کہ میں کچھ لکھنے کا اہل بن سکا۔ میرے والدین نے خود سختیاں جھیلیں لیکن مجھے سختیوں سے بچانے کی حتی المقدور کوششیں کیں۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں اپنی رحمت میں پناہ دے۔ اس کے علاوہ میں اپنے بڑے بھائی (بہنوئی) مہتمم دارالعلوم شیری وسیکریٹری جمعیت علمائے اہل سنت والجماعت جموں وکشمیر محترم مولانا شیخ عبدالقیوم قاسمی صاحب دامت برکاتہم کا بے حد شکر گزار ہوں جنہوں نے میری قدم قدم پر رہنمائی فرمائی اور جو تا ایں دم بحیثیت اُستاد جاری ہے اور میرے قلم کو روانی بخشنے میں اپنا اہم کردار نبھایا۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں بھی ایمانی فراست سے منور فرماویں۔ روزنامہ ایشن میل، تعمیل ارشاد اور دیگر روزناموں کا ممنون ہوں جنہوں نے میرے کالموں کو اپنے روزناموں میں شائع کر کے میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ دُعا گو ہوں کہ یہ روزنامے دن دُگنی رات چگنی ترقی کرتے رہیں۔ (آمین)

میرے اہل خانہ، دوست واحباب شُکریہ کے حقدار ہیں جنہوں نے قدم قدم پر میری حوصلہ افزائی کی۔

خلوص کیش

بخشی مشتاق احمد

رشحاتِ فکرونظر

منظوم ہدیہ عقیدت

''والد محترم کے نام''

❁

تڑپتا ہے دل میرا
اک جھلک کے لئے
فرشتہ نہ تھا مگر
فرشتے سے کم نہ تھا
جُدا جو ہو گئے وہ
رہ نہ سکوں بن اُسکے
رب کے بعد جو
خیال رکھتا تھا
میرے بیٹھنے سے پہلے
تکیہ جو ڈھونڈتا تھا
جو دیر سے کبھی آتا
پہلے تلاش کرنے والے

میرے روٹھنے پر
جو تڑپتا رہتا تھا
اُس کے چہرے سے
پیار چھلکتا تھا
تنہائی میں
مجھ کو ڈھونڈنے والا
کیا کہوں اب تجھے
پیار بھری نظروں سے دیکھنے والا
کون ہے وہ میرا
وہ تھا والد محترم

❁❁

آہ......! وہ ستارہ ڈوب گیا

اپنے اس مشفق مہربان کی طرف جس کی انگلی کو تھام کر چلنا سیکھا، جس کے کندھوں پر بیٹھ کر باہر کی دنیا کو دیکھنے کا پہلا موقعہ ملا، جو پہلا ہمسفر رہا اور جس کے ساتھ چل کر نظارہ قدرت سے لطف اندوز ہوا، جس نے زندگی میں ہر اُس چیز کا تعارف کرایا جس سے نا آشنا تھے ہم، جس نے پہلا تعارف کرایا مالک حقیقی کا، اپنی گود میں لئے مکتب تک پہنچایا، ہمیں اُستاد سے ملایا، ہمیں زندگی جینے کے گُر سکھائے، جو روٹھنے پر مناتا تھا، شرارت کرنے پر خاموش محبت کی چھاؤں میں پناہ دیتا تھا، ہماری راہیں دیکھتا تھا، جس کی نظروں سے اُوجھل ہو کر ہم نے اُن کو تڑپایا، جو خود بھوکا رہ کر ہمیں کھلاتا تھا، ہماری خوشی سے خوش ہوتا تھا، ہماری تکلیف کا درد خود سہتا تھا، ہمارے لئے بے چین رہتا تھا، جس کے نام کے بغیر میری پہچان اُدھوری ہے۔۔۔ جس ستارے نے راہ دکھائی۔آہ! وہ ستارہ ڈوب گیا

بقول شاعر!

وہ عجیب شخص تھا اے زندگی جسے سمجھ کر بھی نہ سمجھ سکے
مجھے چاہتا بھی غضب کا تھا! مجھے چھوڑ کر بھی چلا گیا

وہ الفاظ کہاں سے لاؤں جو محبت کا اظہار کر سکیں۔اُن کی محبت سمندر تھی جس کے

عوض ہماری محبت اک قطرہ بھی ثابت نہ ہوسکی۔ 28 دسمبر 2017ء بروز جمعرات صبح کے 3:05 منٹ پر (وقت تہجد) SMHS ہسپتال (عرف عام میں ہیڈ ون ہسپتال سرینگر) میں شفیق اور رفیق سایہ سر سے اُٹھ گیا۔قبلہ والدمحترم بخشی عبدالمجید صاحب اب اس دنیا میں نہ رہے۔ زندگی کے کم وبیش 80 بہاریں دیکھ کر ہم سے اس حال میں رُخصت ہوگئے کہ فضاء معطر ہوگئی میت کوگھر پہنچایا گیا تو کمرہ مہکنے لگا۔(انااللہ واناالیہ راجعون)

وہ اپنے پیچھے یادوں کے انبار چھوڑ کر چلے گئے۔ وہ ایک قدآور شخصیت، خوبصورت چہرہ، دلربا ادائیں، پُرکشش آنکھیں گویا مالک حقیقی نے ہم سے وہ نعمت چھین لی جواب دوبارہ نہیں مل سکے گی۔ ساری عمراُن کی یاد میں رونے کیلئے کم ہے۔شاید شاعر نے ایسے ہی موقع پر کچھ ایسا کہا تھا کہ:۔

میری خاموشی کوسُن لینا میرے جانے کے بعد
تمہیں بھی بے انتہا پیار ہو جائے گا

بیشک بے انتہا یاد آتی ہے اُن کی زندگی میں جس چیز کی قدر نہ تھی اُن کے جانے کے بعد اب بے حد افسوس ہورہا ہے۔ والدمحترم نے اپنا بچپن بے حد خوشیوں میں گزارا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے والدین پر بے حد کرم کیا تھا کہ زندگی میں کسی چیز کا محتاج نہ رکھا۔ یہ کم وبیش اُنیس کی دھائی ہوگی جب کشمیر میں ہرطرف ہاہا کار اُور پوری کشمیر غربت کے دلدل میں پھنسی ہوئی تھی۔ دووقت کی روٹی نصیب نہیں ہوتی تھی اور میرے دادامحترم مرحوم بخشی گلاب صاحب اپنے گاؤں میں جاگیردار کی حیثیت رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مرحوم کے بچوں پر غریبی کا سایہ نہ پڑنے دیا۔

بہرحال جب والد صاحب نے جوانی میں قدم رکھا تو فوج میں بھرتی ہوئے لیکن ملازمت راس نہ آئی گیارہ سال آٹھ مہینے آٹھ دن کے بعد استعفیٰ اُن کا قبول ہوا جو تین سال پہلے پیش کیا تھا۔ سرجھُکانا والد صاحب کا پیشہ نہ تھا بلکہ ہرفن مولیٰ تھے۔ کپڑوں کی سلائی میں

خاص کر بے حد قابل تھے اور اُس فن میں اُستاد کی حیثیت رکھتے تھے۔ زمینداری میں بے مثال تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے باغات، دھان کی زمین، وغیرہ سے نوازا تھا۔ وہ اچھی سیاست کا ہنر بھی جانتے تھے۔ اس وجہ سے اُن کی وابستگی جماعت اسلامی تنظیم کے ساتھ بھی رہی۔ خوبرو، ہنس مکھ، رعب دار اور مضبوط جسم کے مالک تھے۔ کھیل کود میں دلچسپی رکھتے تھے، جسٹس بشیر احمد کرمانی صاحب کہتے ہے کہ وہ میرے ساتھ بچپن میں کبڈی کھیلا کرتے تھے۔ خوشگوار محفل پسند کرتے تھے، ملنسار اور یار باش تھے اسی لئے اُن کے دوستوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا زندگی بدلنے میں دیر نہیں لگتی کوئی ہُنر کام آیا نہ سہارا ملا کہ اُنہیں غربت کا سامنا ہوا اور آزمائشوں کا دور شروع ہوا۔ زندگی کے نشیب وفراز سے گزر کر اوروں کو کھلانے والا خود بھوکا رہنے لگا، مسکرانے والا مایوسی کے دلدل میں پھنس گیا۔ مضبوط جسم والا کمزور اور لاغر ہو گیا، اوروں کو دلاسہ دینے والا سہارا ڈھونڈنے لگا۔ غرض کہ تنگدستی اور بے بسی نے جھکڑ لیا۔ لیکن آپ نے کبھی بھی اس کا اظہار نہیں کیا اگر چہ آپ کی زندگی کے حسین خواب چکنا چور ہو گئے تھے۔ آپ نے نہ کبھی کسی سے شکایت کی نہ سر جھکایا اور نہ ہاتھ پھیلایا۔ اللہ کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ کر عبادت میں مگن ہو گئے۔ اپنے بچوں کو بھی عبادت کی تلقین کرتے رہے تہجد گزار نے تہجد نہ چھوڑا، موذن نے اذان دینے میں کبھی لاپرواہی نہ کی۔ بڑھاپے میں نوجوان اور جوان لوگ اُن کی صحبت میں رہنے سے دل کا سکون حاصل کرتے تھے۔ اہل نظر لوگ اُن کی بہت زیادہ قدر کرتے تھے۔ آخر کار ایک بار پھر اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے غربت کے بادل چھٹ گئے۔ لیکن اب اُن کو دنیا کی تمنا نہ رہی اور وہ دنیا کی محفلوں سے اُکتا گئے تھے۔ زندگی کے آخری کم وبیش دس سال گوشہ نشینی میں گزارے، کلام پاک کی تلاوت میں مشغول رہے اور اس سے سکون قلب حاصل کرتے رہے۔

والد صاحب کی وہ حسین یادیں پل پل دِل کو چیر کے رکھتی ہیں کوئی پل نہیں گزرتا جب میرا دل اُن کی یاد میں بے چین نہ رہتا ہو۔ اب کوئی مجھے بتائے کہ سکون کیسے حاصل کروں، دل کو کیسے تڑپنے سے روکوں، جگر کے درد کو کیا دوا دوں۔؟ جب بھی اُن کی قبر کی

زیارت کو جاتا ہوں ساتھ سونے کو دل کرتا ہے۔

یہ سطور بالا لکھنے کے بعد جب احقر 13 اور 14 جولائی 2018ء بروز جمعہ اور سنیچر کی رات اپنے کمرے میں اکیلا سویا تو خواب میں والد صاحب پوری رات آئے کہیں گھومے اور بہت زور سے ہم دونوں گلے لگے وہی خوشبو پائی جو اُن کے انتقال کے وقت پائی تھی۔ میں نے آپ سے عرض کیا آپ یہاں کیسے آئے؟ قبر کی طرف دیکھا تو قبر کھلی پائی اور والد صاحب نے جواباً کچھ نہ کہا میں نے عرض کیا کہ قبر میں کیا ہوتا ہے؟ جواباً کہا کچھ نہیں میں بیٹھا رہتا ہوں اور سب آتے ہیں اور مجھے سلام کرتے ہیں میں سنتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرماوئیں اور ہم سب کو ہدایت۔ (آمین)

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا (خالد شریف)

کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

جن کے مرنے پر لوگ روتے ہیں
وہ بڑے خوش نصیب ہوتے ہیں

آخر پر میں اپنے جذبات اور احساسات کو اس شعر کی صورت میں صفحہ قرطاس پر سمیٹتا ہوں۔۔

مجھ کو چھاؤں میں رکھا اور خود جلتا رہا دھوپ میں
میں نے دیکھا اک فرشتہ باپ کے روپ میں

❀❀

درخت کی اہمیت وافادیت

جہاں درختوں نے ہماری اس زمین کی رونق بڑھائی وہیں ان سے ہمیں لاکھوں کروڑوں کے فوائد ہیں ۔ان کے بغیر ہماری اس زمین پر زندگی ممکن نہیں ۔ چاہیے درخت جنگلوں کی صورت میں ہوں ، باغوں اور جھاڑیوں کی صورت میں ہوں یا پیڑ پودوں کی صورت میں ۔ان کی بہت اہمیت ہے جہاں درختوں سے ہمیں پھل ،دوائیاں،لکڑی ، بالن ،کوئلہ جانوروں کے لئے چارہ ،دھوپ سے بچنے کے لئے سایہ وغیرہ مہیا ہوتا ہے ۔وہیں ان سے ہمیں بے انتہاء آکسیجن فراہم ہوتا ہے جس آکسیجن کے بغیر ہماری زندگی (حیوان ناطق ہو یا مطلق)ممکن نہیں ۔ان ہی درختوں کو ہم بے دریغ کٹائی کرکے اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی مارتے ہیں ۔معمولی مفادات کے خاطر ہم اپنے جنگلوں ، باغوں کا صفایا کرتے ہیں ۔یہی وہ درخت ہیں جن کے جڑوں سے ہماری زمین محفوظ اور زرخیز ہے ۔اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان درختوں کی نعمت سے نوازا نہ ہوتا تو بارش اور سیلابوں نے ہماری زمین کو کب کا ضائع کیا ہوتا ۔ اگر درخت نہ ہوتے جنگل نہ ہوتے تو ہماری وادی کو جنت نظیر کا لقب نہ ملتا ۔ یہ وادی میٹھے پانی کی وادی نہ ہوتی ، ہم پانی کی دولت سے محروم ہوتے ۔ یہاں سیاحوں کی بھیڑ نہ ہوتی ، یہ وادی صحرا ہوتی ۔ یہاں کوئی بستی نہ ہوتی ۔اگر ہم چاہتے ہیں کہ وادی کی رونق برقرار رہے تو ہمیں

اپنے جنگلوں کی حفاظت کرنی ہوگی ۔ ہر جگہ شجر کاری کی مہم کا آغاز کرنا ہوگا۔ یہ نہیں کہ ہماری ایڈمنسٹریشن صرف 21 مارچ کو ہی شجر کاری کے مہم کا آغاز کرتے اور دکھاوے وشہرت کے لئے اور صرف ایک دن کے لئے پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کی رونق بنیں ۔ بلکہ ہماری ایڈمنسٹریشن کو پورے شجر کاری کے موسم میں مہم کے لئے متحرک رہنا چاہیے۔ ہر سال لاکھوں کی تعداد میں مختلف قسم کے پیڑ پودوں کو سیل کے لئے رکھا جاتا ہے۔ پھر نہ جانے یہ پودے درخت بننے سے پہلے ہی کیوں مرجھاتے ہیں ۔ان کی دیکھ بال کیوں نہیں ہوتی ۔ جن بنجر یا خالی زمین پر یہ پودے لگائے جاتے ہیں اور موٹی موٹی رقم شجر کاری کیلئے نکالی جاتی ہے پھر نہ جانے کیوں ہماری بنجر زمین یا خالی زمین بنجر یا خالی ہی رہ جاتی ہے ۔شجر کاری کے لئے قابل ، ماہر اور ایماندار افراد کی ضرورت تھی ۔ زمینی سطح پر شجر کاری کے مہم کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا۔ اگر زمینی سطح پر شجر کاری کا کوئی اثر ہوتا تو شاید ہمارے جنگلوں کی زمین درختوں کی بے دریغ کٹائی کے بعد بھی بنجر نہ ہوتی ۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ وادی کی رونق برقرار رہے تو ہمیں اپنے جنگلوں کی حفاظت کرنی ہوگی ۔ ہر جگہ شجر کاری کی مہم کو کامیاب بنانا ہوگا۔کون بدنصیب ہوگا جو چاہے کہ ہماری وادی کے لئے جنت نظیر کا لقب ختم ہو جائے ۔ ہماری وادی گندے پانی کی نکاس بنے ۔ یہاں سیاحوں کی آمد مسدود ہو جائے ۔ یہاں بستیاں آباد نہ ہوں اور ہماری وادی بھی صحراؤں میں گنی جائے۔آنے والی نسل در در شہر شہر کی ٹھوکریں کھائے ۔

پچھلے 20 برسوں کے نامساعد حالات میں ہمارے جنگلوں کو لوٹا گیا۔ان ہی جنگلوں کی بدولت کشمیر کو جنت نظیر کہا جارہا ہے ۔ ہمارے جنگلوں کی پہچان سرسبز درختوں سے ہے لیکن بدقسمتی سے ہر روز وادی کے جنگلوں میں سینکڑوں کی تعداد میں سرسبز درختوں کو بے دردی کے ساتھ کاٹا جارہا ہے ۔غیر سرکاری اعداد وشمار کے مطابق وادی کے جنگلوں میں ہر ماہ لاکھوں روپیہ مالیت کے سرسبز درخت کاٹے جارہے ہیں۔

پچھلے 20 برسوں کے دوران ایک اندازے کے مطابق وادی میں لاکھوں اخروٹ کے درخت نیست ونابود کر دئے گئے ۔ان نامساعد حالات میں وادی کے سرسبز دیودار ،اخروٹ کے درخت وغیرہ کاٹ کر پھران سے حاصل کی گئی لکڑی سے فرنیچر بنا کر ریاست سے باہر بھی بھیجا گیا۔ان 20 برسوں کے دوران اورآج بھی لاکھوں کی تعداد میں درختوں کو کاٹا گیا اور کاٹا جارہا ہے۔اس طرح وادی میں تقریباً 200 مربع کلومیٹر علاقوں میں جنگلوں کو نیست ونابود کردیا گیا۔اس زمین کو واپس جنگلوں کی شکل میں لانے کے لئے شجرکاری کی بہت اہمیت ہے ۔ایک کسان بھائی جب اپنے باغ یا کھیت میں کوئی پودا لگاتا ہے تو ہر روز اس کی دیکھ بھال بھی کرتا ہے اوراس پودے کو پنپنے کے لئے ہرایک کوشش کرتا ہے لیکن جب جنگلوں کی خالی زمین پر یہی پودا لگایا جاتا ہے تو اس کو بے غرض طریقے سے لگایا جاتا ہے اوراس کی دیکھ بھال بھی نہیں کی جاتی ہے۔اس طریقہ کار کو لاعلمی کہیں گے یا خودغرضی جہالت کہیں گے یا انا پسندی ،شاید ہم خود سے بے خبر ہیں ۔اسی لئے درختوں کی تعداد کو کم کرتے ہیں اورعمارتوں کی تعداد کو بڑھاتے ہیں ۔عمارتوں کی تعداد کو بڑھانا دولت اور وقت کو ضائع کرنے کے سواء کچھ نہیں۔کیونکہ............۔

جس کا عمل ہے بےغرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حورو خیام سے گزر بادہ وجام سے گزر
(اقبالؒ)

جنگل اور محکمۂ جنگلات ایک نظر میں

جہاں جنگل وادیٔ کشمیر کی پہچان ہیں وہیں ان سے ہمیں ہزاروں فوائد بھی ہیں۔ان کی دیکھ بھال کرنا ہمارا فرض بنتا ہے۔ان جنگلوں کو بچانے کے لئے اور ان سے جائز طریقے سے فوائد حاصل کرنے کے لئے ہمیں کھل کر بات کرنی چاہیے۔اگر ہم نے کوئی بات چھپائی یا کسی مقصد کی خاطر زبان کو خاموش رکھا یا قلم نے حقیقت لکھنے سے بخل کیا تو خدانخواستہ ہمارا مستقبل جنگلات کے حوالے سے تاریک ہوگا۔جنگلوں کو کون اور کس طرح لوٹ رہا ہے۔کیوں لوٹ رہا ہے مقصد کیا ہے؟ اس پر سیر حاصل بحث کرنے کی ضرورت ہے۔انا پسندی کے اس بد ترین دور میں زبان پر تالے اور قلم پر قدغنیں ہیں۔ ہر کسی سے کسی موضوع پر کہنے یا لکھنے کا حق چھینا جارہا ہے۔جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا دور چل رہا ہے نااہل اور رشوت خور افراد کو عظیم کام سونپے جارہے ہیں۔اس میں شک نہیں کہ قابل اور ایماندار افراد بھی محکموں میں موجود ہیں لیکن ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ ہمارے جنگلوں کو نااہل اور رشوت خور اہلکاروں کے ہاتھوں سے محفوظ رکھنا ضروری ہے اور ساتھ ہی محکمے میں قابل وایماندار آفیسروں وملازموں کی حوصلہ افزائی نہایت ضروری ہے۔آفیسر وماتحت کو مل جل کر کام کرنے کی ضرورت ہے نہ کہ ماتحت ملازم اپنے آفیسر کو دیکھ کر بھاگ جائیں یا شرما جائیں۔آفیسر کو بھی اپنے ماتحت ملازم کو فضول ڈرانا نہیں ہے یا اُس پر بڑے پن کا رُعب جمانا ضروری نہیں۔دیکھنے میں آیا ہے کہ کچھ

آفیسر صاحبان اپنے ماتحت ملازموں پر اپنے بڑے پن کا رُعب جماتے ہیں ۔مقصد کا کام کرنے کے بجائے کچھ آفیسر صاحبان اپنی گورنمنٹ کی گاڑی اور اپنے سوٹ بوٹ پر ہی نظر رکھتے ہیں کہ کیسا اچھا ہوں۔میرا دباؤ کتنا میرے ماتحت ملازموں پر پڑتا ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ماتحت ملازم اپنے سینئر ملازم سے کچھ سیکھنے کے موقعے سے محروم ہوتا ہے۔

راقم نے اس سلسلے میں ایک سبکدوش، ہونہار و باصلاحیت رینج آفیسر سے تبادلہ خیال کر کے ان سے ان کے تاثرات، وخیالات جاننے کی کوشش کی ۔انہوں نے فرمایا ہمارے محکمۂ جنگلات میں بہت سی خامیاں ہیں اور لوگوں میں بھی لاعلمی ہے جس کی بناء پر دن بدن ہمارے جنگلات کا مستقبل تاریک بنتا جا رہا ہے۔پہلی بات یہ ہے کہ حاکم لوگ کسی بھی طرح ملازموں کی حوصلہ افزائی نہیں کر رہے ہیں بلکہ ان کے حق پر شب وخون مارا جا رہا ہے۔جس کی مثال یہ ہے کہ ایک پڑھا لکھا وقابل ملازم جس عہدے پر تعینات ہوتا ہے۔اسی عہدے پر سبکدوش بھی ہوتا ہے۔یہ المیہ سے کم نہیں۔

ہاں اگر کبھی کبھار کسی ملازم کو ترقی سے نوازا بھی جاتا ہے سبکدوش ہونے سے صرف ایک یا دو سال قبل جس کی وجہ سے اس ملازم کو کام میں دلچسپی نہیں رہتی ۔انہوں نے فرمایا ہے کہ جنگلات کے ملازم دن رات، سردی ہو یا گرمی دھوپ ہو یا چھاؤں جنگل کا گشت کرتے رہتے ہیں۔اس دوران ان کو بہت سی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔کبھی موزی جنگلی جانوروں کا مقابلہ ہوتا ہے،تو کبھی سمگلروں کا۔ان سخت مقابلوں کے لئے ان ملازموں کو جن وسائل کی ضرورت ہوتی ہے ان سے ان کو محروم رکھا جاتا ہے۔جنگلات کے ملازموں کو نہ رسک الاؤنس دیئے جاتے ہیں نہ وقت پر گرم،سرد وردی نہ جوتے وغیرہ دیئے جاتے ہیں جس کی وجہ سے اُن کی مشکلات میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

ایک سوال کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ جب ملازم کسی دور دراز جگہ پر اپنی ڈیوٹی انجام دے رہا ہو تو نہ وہاں پر اس کو اپنی حفاظت کے لئے حفاظتی بندوبست ہوتا ہے نہ

کیمونی کیشن وغیرہ۔تو ملازم کبھی کبھار مجبور ہوتا ہے ایک سمگلر کے ساتھ ہاتھ ملانے کو، اس پر مذکورہ ریٹائرڈ رینج آفیسر نے اپنا ایک واقعہ یوں سُنایا'' کہ اُس نے ایک جگہ لکڑی پکڑی تب وہ فارسٹر ہی تھا وہاں پر حملہ ہوا تو اُس نے اپنے خدشات اپنے رینج آفیسر تک پہنچائے اور مدد طلب کی تو رینج آفیسر موقعہ پر آیا جب اس نے دیکھا کہ اُس پر حملہ ہوا ہے تو وہ فوراً واپس بھاگ گیا۔ پہلے بہت تاکید کر رہا تھا لکڑی پکڑنے کے لئے پھر اُن پر حملہ ہوتے دیکھ کر خود بھاگ گیا اور اُس سے ساتھیوں سمیت خدا کے سہارے چھوڑ دیا۔ کہا کہ آفیسر شاہی کا دور ہے ماتحت کو کوئی ساتھ نہیں دے رہا ہے۔

ایک سوال کے جواب میں کہا کہ آفیسر کو چاہیے کہ اپنے ماتحت ملازم کیساتھ وقتاً فوقتاً میٹنگ کر کے اطمنان دیئے کہ میں آپ کا دوست ہوں جس کام کے لئے ہمیں گورنمنٹ نے تعینات کیا ہے وہ ہم دوستانہ ماحول میں نبھائیں۔ کہا کہ یہاں فرنڈلی ورک (Friednly Work) نہیں ہوتا ہے بلکہ یہاں پر من مانی سے کام چلایا جارہا ہے یہ بھی ایک وجہ ہے جنگل لٹنے کا۔ جنگلوں کے نوتوڈ[1] کے بارے میں انہوں نے فرمایا کہ ہمارا ڈمارکیشن ڈویژن ہاتھ پہ ہاتھ دھرے ہوئے بیٹھا ہیں۔ کہیں پر کوئی حد بندی تھم (Boundery Pillers) دکھائی نہیں دیتا۔ پہلے پہلے تو ہر ایک جگہ باونڈری پلر ہوتے تھے وہ یا تو ڈمیج ہوئے ہیں یا اُکھاڑ دئے گئے ہیں۔ نچلی سطح کے ملازموں کے پاس نقشہ نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ GT شیٹ DFO کے پاس ہوتا ہے انگریزوں کے وقت میں بنایا ہوا یہ اہم ریکارڈ جس پر جنگل کی حد بندی درج ہے لیکن نہ جانے کن وجوہات کی بناء پر ہمارا ڈمارکیشن ڈویژن معذور ہو کر رہ گیا ہے۔ گفتگو کے دوران انہوں نے فرمایا کہ ہمارے محکمۂ میں حفاظتی ملازموں کا فقدان ہے بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے ۔کلاس فورتھ ملازموں کو بیٹ کا چارج دیا گیا۔۔ فیلڈ ملازموں کو دفتر میں تعینات کیا جاتا ہے اور دوسری طرف فارسٹ پروٹکشن فورس بنایا گیا مگر 15 سال گزرنے کے باوجود بھی مذکورہ فورس کے سروس رولز نہیں بنائے گے۔ بجائے اس کے کہ اس فورس کو محکمۂ جنگلات میں مدغم کیا

جاتا۔ان کو بارکوں میں رکھا گیا۔اس طریقہ سے محکمہؑ جنگلات اور محکمہؑ فارسٹ پروٹیکشن فورس کے درمیان اکثر وبیشتر تضاد دیکھنے کو ملتا ہے۔ایسے لگتا ہے ایک دوسرے کے معاون نہیں بلکہ دشمن ہیں۔محکمہؑ جنگلات کو مضبوطی کی بے حد ضرورت ہے۔اس پر انہوں نے اپنا اور ایک واقعہ بیان کیا۔کہا کہ ایک دن وہ کمپارٹمنٹ 79JV Division بارہمولہ میں اپنے ایک ملازم کے ساتھ گشت کر رہا تھا اور جنگل میں ایک جگہ اُس نے دیکھا کہ چار آدمی آری چلا رہے تھے۔یہ دو تھے اور وہ چار۔جب اُس نے آری ضبط کر لی تو ان چاروں نے مل کر آری کو کھینچا اگر وہ آری نہیں چھوڑتا تو اُس کا بازو کٹ سکتا تھا۔کہا کہ ہم ان حالات میں اپنی روداد سنائیں تو کس کو؟ ہمارے محکمہؑ میں خاص کر چھوٹے ملازموں کے لئے لگتا ہے کہ حفاظت کیلئے قانون نہیں ہے۔بات صحیح ہے جب ہم میں بدلاؤ آئے گا تو ہمارے جنگل لٹنے سے خود بہ خود بچ جائینگے۔اگر ہم چاہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ جنگل کی افادیت معلوم ہو جائے تو ہمیں اپنا نظریہ بدلنا ہوگا۔

راقم کے مشاہدہ میں ہے کہ کچھ بے ضمیر آفیسر اتنا گر جاتے ہے کہ اپنے ماتحت ملازموں حتیٰ کہ کلاس فورتھ ملازموں تک کو اپنی من پسند جگہ پر تعینات کرنے کیلئے رشوت لیتے ہیں۔جب یہ ماتحت ملازم اپنی من پسند جگہ آفیسر کو بوتل میں اُتار کر تعینات ہوتا ہے تو زیادہ گر جاتا ہے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قوم کے سرمایہ کو دو دو ہاتھوں لوٹا جاتا ہے۔کچھ باضمیر لوگ چاہتے تھے کہ بدلاؤ آئے لیکن بے ضمیروں کو پکڑنے کے لئے ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے۔جب رشوت لینے دینے والوں ،جنگل لوٹنے اور لٹوانے والوں میں ملی بھگت ہو تو ثبوت کہاں سے آئے گا تو پھر قوم کے اس عظیم سرمایہ کا خاک میں مل جانا یقینی بات ہے۔آؤ ہم سب مل کر اپنے ضمیر کو بیدار کریں اور جنگلوں کی حفاظت کو یقینی بنائیں۔(انشاءاللہ)

۞۞

[1] وہ زمین جو حال ہی میں قابل کاشت بنائی گئی ہو)

کشمیر کی خوبصورتی جنگلوں میں مضمر

میں اپنی معلومات کی روشنی میں اپنے تجربات کو اپنے ہم وطنوں میں بانٹنے کی حقیر کوشش کر رہا ہوں ۔ جنگلات ہمارا سرمایہ ہی نہیں بلکہ ہماری وراثت بھی ہے اس پر غور خوض کرنا ان کی دیکھ ریکھ کرنا ہمارا اولین فرض ہے۔ کشمیر کی خوبصورتی ہمارے جنگلوں میں مضمر ہے۔ اگر جنگل لٹ گئے سمجھو کشمیر کا حُسن لٹ گیا۔ آبشاروں اور سبززاروں کا راز بھی ہمارے جنگلوں کی مرہون منت ہے اس تیز تر دور میں ہمیں غور وفکر کرنے کا موقعہ کم ہی ملتا ہے۔ اگر چہ کچھ ذی حس لوگ غور وفکر میں جڑے ہوئے ہیں لیکن اِن کے علمی شعور، تجربات واحساسات کا فائدہ اُٹھانے والے یا اُن کا ساتھ نبھانے والے آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ اگر خدانخواستہ جنگلات کی دولت تباہ ہوگئی تو انسان کی زندگی بُری طرح متاثر ہوگی ،جنگل میں نباتات کے علاوہ حیوانات کی کثیر تعداد بھی مل جل کر رہتی ہے۔ محل وقوع، آب وہوا اور زمین کے اعتبار سے درختوں اور جڑی بوٹیوں کی قسمیں ہر جگہ پر الگ الگ ہوتی ہیں۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ہندوستان میں جنگلاتی درختوں کی 13000 انواع پائی جاتی ہیں ۔ جنگلات زمین کے کٹاؤ کی روک تھام اور موسمیاتی توازن کی برقراری میں ایک اہم رول ادا کرتے ہیں۔ جب جنگل تباہ ہوتے ہیں تو قدرتی توازن (Balance of Nature) میں اتنا زبردست خلل واقع ہوتا ہے کہ زرخیز زمین ریگستانوں میں بدل جاتی ہے اور نتیجتاً کائنات کا وجود ہی خطرہ میں پڑتا ہے دُنیا کی تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں جو

عیاں کرتی ہے جنگلات کی تباہی کے سبب خوشحال قوموں کی تہذیبیں کس طرح معدوم ہوگئیں ۔خود موجودہ زمانے میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے مغربی صوبوں میں بنجر اور گرد وغبار سے اٹے ہوئے علاقوں کی موجودگی جنگلات کی تباہی کے اثرات کی نمایاں مثالیں ہیں۔

جنگلات کی تباہی کے ان احساسات نے ہی جدید انسان کو جنگلات کے تحفظ کی طرف متوجہ کیا۔دنیا کے تقریباً ہر ملک نے جنگلات کے تحفظ کے لئے خصوصی قوانین نافذ کئے ہیں جموں وکشمیر میں بھی جنگلات کے تحفظ کے لئے خصوصی قوانین نافذ ہوئے ہیں اور خاص کر 1997ء میں جنگلات کے تحفظ کے لئے خصوصی فورس بنایا گیا جس کو فارسٹ پروٹکشن فورس کا نام دیا گیا لیکن جس کے موثر ہونے اور سدھار کے لئے ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔محکمۂ جنگلات میں ملازموں کی کمی تشویش ناک حد تک بڑھ گئی ہے جس کی طرف فوری دھیان دینے کی ضرورت ہے۔امریکہ، روس، چین، اٹلی ہو یا ہندوستان ہر ملک اب یہ تسلیم کر جا چکا ہے کہ زمین کی بیش قیمت اوپری تہہ (Top Soil) کا تحفظ، پانی کے باقاعدہ سپلائی، سیلابوں پر قابو، موسمیاتی توازن کی برقراری جیسے مقاصد کے حصول کے لئے زمین پر جنگلات کا ہونا ضروری ہے۔

عام طور پر یہ مان لیا گیا ہے کہ متذکرہ بالا مقاصد کے حصول کے لئے ایک تہائی زمین جنگلات سے ڈھکی ہونی چاہیے۔جنگلات پہاڑی علاقوں کی زمین کے کٹاؤ کو روکتے ہیں جہاں سے دریاؤں کا آغاز ہوتا ہے اور اس سبب سے دریاؤں میں پانی کی روانی اور فراہمی کا نظام برقرار رہتا ہے جنگلات کا یہ ایک بہت ہی اہم کام ہے کیونکہ دریاؤں کے میدان ہی کسی ملک کے زرخیز ترین خطہ کو جنم دیتے ہیں۔دریاؤں کے نقطہ آغاز سے ہی اگر جنگل تباہ ہو جائے تو پھر پہاڑوں کی مٹی کٹاؤ کی وجہ سے بہہ جاتی ہے اور رفتہ رفتہ دریاؤں اور دیگر آبی ذخیروں میں تہہ نشین ہو کر ان کو بھر دیتی ہے۔اس لئے جنگلوں اور ان علاقوں کو جہاں سے دریاؤں میں پانی آتا ہے زمین کے کٹاؤ کو روکنا جنگلات کے اہم ترین حفاظتی اقدام میں سے ہے ۔اس کے نتیجے کے طور پر سیلابوں کی روک تھام میں جنگلات کا بہت بڑا رول ہوتا ہے جس پر اولین

ترجیح کی ضرورت ہے۔میدانی اور ساحلی علاقوں میں بھی جنگلات زمین کے کٹاؤ کو روکتے ہیں جن کے بغیر یہ علاقے بنجر اور ریتلے ہو جاتے ہیں۔اسی طرح جنگلات کی سبز پیٹیوں کی تخلیق کے ذریعے آندھی اور تیز ہواؤں سے ہونے والے زمینی کٹاؤ کی روک تھام ایک عام طریقہ ہے۔دنیا کے بیشتر شہروں وعلاقوں کے اطراف میں جنگلوں کا وجود ان کو نہ صرف گرد آلود ہواؤں سے محفوظ رکھتا ہے بلکہ ان کی وجہ سے فضاء کی آلودگی کو روکنا اور آکسیجن کی زیادہ مقدار میں فراہمی کے مقاصد بھی پورے ہوتے ہیں۔شہروں کے قریب پائے جانے والے جنگل خوبصورت منظر کے علاوہ تھکے ماندے شہریوں کو تفریح کا سامان بھی فراہم کرتے ہیں۔حفاظتی فوائد کے علاوہ جنگلات انسان کیلئے تجارتی طور پر بھی بے حد کارآمد ہیں کیونکہ جنگلات سے ہم بہت سے جنگلاتی پیداوار حاصل کرتے ہیں تعمیر کے لئے لکڑی، جلانے کے لئے ایندھن یہ سب جنگلات کی دین ہے جنگلات میں اُگنے والی گھاس دیہی علاقوں میں مویشیوں کے لئے چارہ فراہم کرتی ہے۔دیگر جنگلاتی پیداوار، مثلاً پھل، چھال سے نکلنے والے رنگ، سینگ، چمڑے اور ہاتھی دانت اور بہت سی وہ اشیاء جو ہم دوائی کے بطور استعمال میں لاتے ہیں اور جن سے ہمیں بے شمار تجارتی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ان ہی جنگلوں سے میسر ہوتے ہیں اگر چہ ان اشیاء کا شمار جنگلات کی ادنیٰ پیداوار میں ہوتا ہے لیکن حکومت کو ان سے ملنے والی آمدنی بہت کثیر ہوتی ہے۔مثلاً جنگلات کی ایسی ہی ادنیٰ پیداوار کی برآمد سے ہندوستان کو 24 کروڑ روپیہ سالانہ کی آمدنی ہوتی ہے۔لکڑی ایک بے حد اہم خام پیداوار ہے جس پر بیشتر اہم صنعتوں جیسے پلائی ووڈ، فائیبر بورڈ، دیاسلائی پنسل وغیرہ کا انحصار ہوتا ہے۔جنگلات کی افادیت اور جنگلات کے تحفظ کے خاطر ہمیں معلومات ہونی چاہیے جسے جنگلاتی دولت کی تباہی کو روکا جا سکے۔کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

سائے دیودار کے یہ سائے پریم پیار کے
اگر انہیں نظر لگی تو دن گئے بہار کے

یہ جنگل ہمارے اپنے ہیں

جنگل ہے تو کشمیر کا وجود ہے۔اگر ہمارے جنگل سمگلروں کی نذر ہو گئے تو کشمیر کا وجود خطرے میں ہوگا۔آئے روز اخباروں میں یہی خبریں پڑھنے کو ملتی ہیں کہ سمگلروں نے جنگلات کے اہلکاروں پر حملہ کیا۔فارسٹ پیر پنچال ڈویژن بڈگام (ست ہارن) میں بھی ڈی ایف او سمیت کئی اہلکاروں پر جنگل سمگلروں نے ،کلہاڑیوں ،ڈنڈوں اور لوہے کی سلاخوں سے حملہ کر دیا ۔دوسری طرف فارسٹ منسٹر کے بیانات اکثر شائع ہوتے ہیں کہ جنگلوں کو کسی بھی صورت میں تحفظ دیا جائے گا اور غفلت شعار آفیسران اور اہلکاروں کو بخشا نہیں جائے گا۔سبز سونے کو ٹھوس بنیادوں پر تحفظ فراہم کرنے کے بارے میں اٹھائے جانے والے اقدامات پر غور خوض کیا جا رہا ہے۔ 1947 سے لے کر آج تک ہمارے جنگلات مسلسل کٹتے اور اجڑتے جا رہے ہیں۔زیادہ اناج اگاؤ پالیسی ہو یا جنگلوں کے بیچوں بیچ سڑکیں بنانے کی پالیسی صرف اخباری بیانات دیکھنے اور پڑھنے کو ملتے ہیں۔زمینی حقائق اس کے برعکس ہیں جنگل سمگلروں کا حملہ ہو یا جنگل کے تحفظ کے متعلق بیانات۔کیا کہیں اس پر غور و فکر کیا جا رہا ہے کہ جنگل کے تحفظ کے لئے ہماری پالیسی صحیح ہے یا غلط۔زور زبردستی اور طاقت کے بل بوتے پر نہ تو جنگل سمگلروں پر کنٹرول کیا جائے گا اور نہ جنگلوں کو کوئی تحفظ مل پائے گا۔جب تک نہ جنگل کے تحفظ کے لئے صحیح اور ٹھوس پالیسی اپنائی جائے۔جنگل

قوم کا سرمایہ ہے اور قوم ہی کو اس کی حفاظت کے لئے تیار کرنا بہترین پالیسی ہے۔ جنگلات کے اہلکاروں کو جنگلوں کی حفاظت کے بجائے یہ تربیت دینی چاہیے تھی کہ لوگوں کو جنگلوں کی حفاظت کے خاطر کھڑا کر دینا چاہیے اور لوگوں تک جنگل کی افادیت پہچانی چاہیے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جنگل کا فیلڈ سٹاف جنگل کی افادیت سے باخبر ہو لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ جنگل کا اکثر و بیشتر سٹاف جنگل کی افادیت سے بے خبر ہے۔ جب محافظ ہی اصل مقصد سے بے خبر ہو تو اوروں کا کیا حال ہوگا۔ جب تک نہ قوم خود جنگلوں کی حفاظت کے لئے آمادہ ہوگی تب تک کوئی بھی زور زبردستی کی پالیسی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جنگلات کے بڑے آفیسروں کو چاہیے کہ اپنے آفس سے باہر نکل کر لوگوں تک یہ بات پہنچائیں کہ جنگلوں کی حفاظت کیوں اور کس لئے کی جائے۔ اس میں قوم کا کیا فائدہ ہے۔ اگر جنگلوں کا نقصان مسلسل ہوتا رہے۔ تو قوم کتنی پریشانیوں سے دوچار ہو گی۔ حکومت کو چاہیے کہ محکمۂ جنگلات کے ایسے اہلکاروں کو جو حقیقی تربیت یافتہ اور جنگلات کے علم سے باخبر ہوانہیں لوگوں کی آمادگی کی پالیسی پر تعینات کیا جائے تب ہی کہیں جا کے سدھار آ سکتا ہے۔ اس سبز سونے کے بارے میں قوم کی بس ایک آواز ہونی چاہیے کہ یہ جنگل ہمارے اپنے ہیں۔ قوم اچھی طرح جانتی ہے کہ جنگلوں کا دشمن کون ہے۔ کون ان کو لوٹ رہا ہے۔ کیوں اور کیسے لوٹ رہا ہے لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ قوم بے خبر ہے۔ قوم جنگلوں کی افادیت سے ناواقف ہے۔ قوم کو یہ معلوم نہیں کہ یہ جنگل ہمارا سرمایہ ہے۔ ان جنگلوں پر سبوں کا برابر حق ہے کوئی ایک یہ حق نہیں رکھتا کہ ان جنگلوں کو اپنی جاگیر سمجھ بیٹھے۔ یہ کسی ایک کی جاگیر نہیں سمگلر ہو یا اہلکار، فارسٹ ڈیپارٹمنٹ کو چاہیے کہ وہ لوگوں سے تال میل رکھے اور محکمۂ کو چاہیے کہ Pwareness پروگراموں کو عروج دیں جب لوگوں میں خبرداری آئے گی تب کہیں جا کے ہمارے جنگلوں کو سمگلروں سے نجات مل سکتی ہے۔

نقشوں کو تم نہ جانچو لوگوں سے جا کے دیکھو   کیا چیز جی رہی ہے، کیا چیز مر رہی ہے

جنگلوں کی افادیت سے بے خبر عوام

کبھی ہمارے جنگل آباد اور پوری دنیا میں مشہور تھے۔ برباد کیسے ہوئے؟ یہ سوال اپنی جگہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ جنگلوں کو بچانے کے لئے اگر طاقت درکار ہوتی تو آرمڈ فورس کافی تھی۔ مگر زور وزبردستی سے جنگل بچائے نہیں جاسکتے۔ اسی لئے وقت کے حکمرانوں نے جنگلوں کو آباد رکھنے کے لئے محکمۂ جنگلات کو وجود میں لایا تھا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ قوم ہی جنگل کی رکھوالی کرے کیونکہ جنگل قوم کا سرمایہ ہے۔ لیکن ہماری قوم اس حوالے سے باشعور نہیں۔ جنگلوں کی افادیت سے محکمۂ جنگلات اور کشمیری قوم بے خبر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے جنگل دن بدن برباد ہوتے چلے جارہے ہیں۔ ہم نے جنگلوں کو لوٹا، جنگلی جانوروں کے مسکن کو تباہ وبرباد کرڈالا۔ جنگلوں کے بیچوں بیچ سڑکوں کو تعمیر کیا۔ جب جنگلی جانوروں کے مسکن تباہ وبرباد کر ڈالے گئے۔ تو جنگلی جانور مجبور ہو کر بستیوں کی طرف رُخ کر گئے۔ سینکڑوں کی تعداد میں لوگوں کو زخمی کر گئے یا مار ڈالا گیا۔ جنگلوں کی افادیت ہو یا جنگلوں کی رکھوالی کا قانون، قانون بس قانون کی کتابوں تک ہی محدود ہے۔ یا فارسٹ کے ٹریننگ اسکولوں اور فارسٹ کے کالجوں تک! زمینی حقائق کچھ اور ہی ہیں۔ لاکھوں کروڑوں فٹ تعمیری لکڑی محکمۂ فارسٹ کے

اہلکاروں،محکمہٗ فارسٹ پروٹکشن فورس کے اہلکاروں یا پولیس فورس نے وقتاً فوقتاً ضبط کئے جس پران اہلکاروں کوشاباشی یا انعامات سے نوازا گیااور یہ تعمیری لکڑی جوضبط میں لائی گئی۔ڈیپوؤں میں سڑ رہی ہے،دھوپ اور بارش نے اس تعمیری لکڑی کا براحال کردیا۔ان اہلکاروں کوجنہوں نے ناجائز طریقے سے کاٹی گئی لکڑی کوضبط کرلیا ہے۔شاباشی کے بجائے سزاملنی چاہیے۔کیونکہ محکمہٗ فارسٹ یافارسٹ پروٹکشن فورس جن کے اخراجات پراربوں کیا کھربوں روپےخرچ کئے گئے یا کئے جاتے ہیں۔ان کا کام صرف غیر قانونی طورکاٹی گئی لکڑی پکڑنا ہی نہیں تھا بلکہ ان کے ذمہ ایسا طریقہ کارا پنانا تھا کہ جس سے جنگل سے سرسبز درخت محفوظ رہ سکیں یہی محکمہٗ کا اصل مدعا ومقصد ہے ۔ضبط شدہ کاٹی گئی تعمیری لکڑی کی تعداد لاکھوں فٹ میں ہے جس تعمیری لکڑی کو سمگلرسمگل کرنے میں کامیاب ہوئے اس کی تعداد کتنی ہوگی یا جوملی بھگت کے طریقے سے جنگل میں ناجائز طریقے سے کاٹی گئی تعمیری لکڑی ہضم ہوئی اس کی تعداد کتنی ہوگی۔اس کا کھلا ثبوت جنگلوں میں ہی مل جاتا ہے جہاں پرجنگلوں کے وسیع رقبہ جات بنجر بن گئے۔

جنگل کٹتے ہیں۔کٹوائے جاتے ہیں

حکومت وقت خاموش تماشائی بنی بیٹھی ہے۔محکمہٗ جنگلات کے اہلکار بھی دن رات صرف اس مقصد کے لئے گھومتے رہتے ہیں کہ کہاں پردانا پانی ملے۔ایسے جیسے ان کو جنگل کی رکھوالی کے لئے کوئی معاوضہ نہیں مل رہا ہو۔محکمہٗ فارسٹ پروٹکشن کے اہلکارر پوٹنگ سنٹر میں یا بارکوں میں ایسے سونگھتے رہتے ہیں کہ کہاں سے کاٹی ہوئی اسمگلنگ لکڑی کی بوآجائے یا تودانا پانی ملے گا یاوقت کے حاکموں سے شاباشی ملے گی۔جنگل کی افادیت سے بے خبر نہ جانے ابھی کتنے دیرقوم کے سرمائے کولوٹنے اور کٹنے دیں گے۔کب ہماراقوم جنگل کی افادیت سے باخبر ہوجائے اورخود کھڑا ہوکراس بیش بہاخزانے کی رکھوالی کے لئے کمر بستہ ہوجائے شاید وہ وقت تب آجائے گا جب یہ گنے چنے درخت بھی سمگلروں کی نظرہوچکے ہونگے اور ہماری قوم ہاتھ ملتی رہ جائیگی۔

❀❀

سمجھا ہے جنہوں نے جنگلات کو مالِ غنیمت

جنگلات نے جہاں ہمارے کشمیر کی رونق میں اضافہ کیا ہے وہیں ہمیں ان سے بہت سے اقتصادی فوائد بھی حاصل ہوئے ہیں لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ شعور کی کمی کی وجہ سے ہم اس بیش بہا خزانے کو ناپید کرنے کے درپے ہیں۔ ہمارے یہ جنگلات غلط حکمت عملی، ناشائستگی، لاعلمی اور انا پسندی کی نذر ہو گئے ہیں۔ چاہیے اسمگلر ہوں، اہلکار ہو، یا ٹھیکیدار سب جنگل کو غنیمت سمجھ کر لوٹ رہے ہیں، جہاں جنگلوں سے ہمیں گھاس، تعمیری لکڑی، بالن، جڑی بوٹیاں وغیرہ وغیرہ حاصل ہوتی ہیں وہیں ان جنگلوں کو اللہ تعالیٰ نے حفاظتی کام پر بھی مامور کیا ہے۔ بہت سے جنگلی جانوروں، چرندوں، پرندوں، درندوں کے آشیانے انہی جنگلوں میں ہیں۔ جنگل لٹنے سے جہاں ہمیں بہت سارے مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے وہیں جنگلی جانوروں کے آشیانے لٹ بھی رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جنگلی جانوروں نے بستیوں کا رخ کیا ہے اور بہت سارے معصوم انسانوں کو اپنا نوالہ بنالیا ہے۔

ویسے تو 1947 سے کشمیر کے سرسبز جنگلات نوتوڑ[1] کے شکار ہو رہے ہیں۔ ہر سال ہزاروں کنال زمین جنگلوں سے کٹ کر آبادہ کی شکل اختیار کر رہے ہیں۔ یہ ایک سنگین مسئلہ ہے لیکن آجکل نوتوڑ نے ایک ایسی شکل اختیار کی ہے جو رکنے کا نام نہیں لیتی۔ اگرچہ محکمۂ

جنگلات کا فیلڈ سٹاپ اسے باخبر ہے۔مگر نہ جانے کن وجوہات کی بناء پر یہ لوگ خاموش بیٹھے ہیں لیکن ہائیر اتھارٹی کی نظروں سے یہ نوتوڑ اوجھل ہے۔جنگلوں کی نوتوڑ کی روک تھام کے لئے ضروری ہے کہ ڈمارکیشن ڈویژن کو متحرک کیا جائے تب کہیں جا کے اس سنگین مسئلے کا حل نکالا جاسکتا ہے۔

دانشور طبقے کا کہنا ہے کہ محکمۂ جنگلات کا فیلڈ سٹاپ اپنی اصل ذمہ داریوں کو نہیں نبھا رہا ہے اور جنگلات کی افادیت سے بےخبر بھی ہے۔دانشور طبقے کا مزید کہنا ہے کہ اگرچہ کچھ اہلکاروں کی کارکردگی بے مثال ہے لیکن ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے اور ان پر خاموش قدغنیں بھی ہیں۔

علاوہ ازیں محکمۂ جنگلات کا فیلڈ سٹاپ لوگوں کو سمجھانے کی صلاحیت کھو بیٹھا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کو تربیت دی جائے۔ ہر گزرتے دن جنگل سے درخت کٹتے رہتے ہیں۔جڑی بوٹیاں غیر قانونی طور نکالی جاتی ہے۔نوتوڑ ہوتا رہتا ہے اور محکمۂ جنگلات صرف دکھاوے کے لئے ضبطی یہ ضبطی کرتے رہتے ہیں۔اگر یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا کہ اُدھر جنگل میں نقصان ہوتا گیا اِدھر محکمۂ جنگلات وغیرہ ضبطی دکھاتے رہینگے۔آپ خود ہی اندازہ لگا دیجئے کہ ایک دن ہمارے جنگل، جنگل نہیں رہینگے بلکہ بنجر دکھائی دیں گے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ جنگل سے درخت نہ کٹے۔جنگل سے جڑی بوٹیوں کی لوٹ کھسوٹ نہ ہو۔نوتوڑ کو کسی بھی صورت میں روکا جائے۔تب کہیں ہم آنے والی نسل کے سامنے جواب دہی سے بچ پائیں گے۔سینکڑوں کی تعداد میں لوگ جڑی بوٹیاں غیر قانونی طور سے نکالنے کے درپہ لگے ہیں۔جن آلات اور بے ڈھنگ طریقے سے جڑی بوٹیاں نکالی جاتی ہے اس سے زمینی کٹاؤ اور کھساؤ ہونے کا اندیشہ ہے۔جب زمین پر گھاس ہی نہ رہی اور زمین کو بے ڈھنگ طریقے سے کھودا گیا تو زمینی کٹاؤ کا ہونا یقینی ہے۔

زمین کا کٹاؤ ایک بڑا خطرہ ہے۔زمین کا کٹاؤ اتنا خطرناک ہے کہ یہ آہستہ آہستہ اور نہایت

خاموشی سے انسان کو تباہی اور ذلت کے گہرے گڑھے کی طرف لے جا رہا ہے۔ ایک غلطی پہلے ہی ہوئی ہے کہ زیادہ اناج اگاؤ کی اسکیم کو غلط معنی دے کر جنگل کی زمین کو جاہل اور خود غرض عوام نے جو نقصان پہنچایا ہے وہ اتنا وسیع ہے کہ بڑی حد تک نا قابل تلافی نظر آتا ہے اور اس سلسلے میں جو حفاظتی اقدامات اس وقت تک کئے گئے ہیں وہ بہت تھوڑے ہیں اور بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ جنگل سمگلنگ کی روک، زمینی کٹاؤ کی روک، بے حس اور ناشائستہ اہلکاروں پر کڑی نظر۔ اس سلسلے میں کچھ رضا کارانہ انجمنیں ہی اہم رول ادا کر سکتی ہے۔

خدایا رحم کر اس ناداں قوم پر
سمجھا ہے جنہوں نے جنگلات کو غنیمت

❀❀

ا :......وہ زمین جو حال ہی میں قابل کاشت بنائی گئی ہو۔

حق کے متلاشی

1997ء میں فارسٹ پروٹیکشن فورس وجود میں آیا جو کہ محکمۂ جنگلات کی دیرینہ مانگ تھی تاکہ قوم کے ایک بیش بہا سرمایہ یعنی سبز سونے کی زیادہ سے زیادہ حفاظت ہو جائے اور لوگوں تک جنگلات کی حفاظت کے حوالے سے اصل حقائق پہنچائے جائیں۔اس سلسلے میں عملی اقدامات کرتے ہوئے فارسٹ پروٹکشن فورس میں جو پہلی بھرتی عمل میں لائی گئی وہ ہے 1997ء میں پوری ریاست جموں وکشمیر سے تقریباً 682 واچرس۔یہ واچرس خداداد صلاحیت کے مالک تھے۔صحت مند وتعلیم یافتہ نوجوان تھے۔ان 682 واچرس میں اکثر گریجویٹ، پوسٹ گریجویٹ، ڈپلوما ہولڈر و فارسٹ منیجمنٹ کر کے تھے۔بہت تن دہی کے ساتھ دور دراز علاقوں میں اپنی ڈیوٹی انجام دی۔یاد رہے کہ 1997ء میں ہی ان واچرس کو فارسٹ پروٹکشن فورس نے محکمۂ جنگلات میں تعینات کیا محکمۂ جنگلات نے ہی ان کے سروس بکس بنائے اور ان کو جنگلات کے مختلف بیٹوں میں تعینات کیا گیا،ان کو جنگلات کے بیٹ چارج میں دئے گئے اور ان میں سے کئی نوجوانوں کو فارسٹ ٹریننگ کے لئے بھی بھیجا گیا۔کچھ نوجوانوں کو دفتری کام کاج سونپا گیا۔

1999ء میں چیف کنزرویٹر آف فارسٹ نے ایک خط زیر نمبر
106/CCF(K)R/99-2000/1584-1601 بتاریخ 8/12/1999 جاری کیا جس کا عنوان یہ تھا کہ:

During the Review meetings held under the chairmanship of Pr.chief conservator of forests of various circles on 11.22.13 to14.10.1999,The Pr.chief conservator of forests has made it clear that the watchers under forest protection force will draw their salery under non plan.

محکمۂ جنگلات میں آٹھ سال گزرنے کے باوجود ان بدقسمت ملازموں کو نہ کوئی ترقی دی گئی اور نہ ہی سینیارٹی۔ان واچرس نے اپنا حق ڈھونڈنے کے لئے کوئی دہلیز نہ چھوڑی۔ڈی ایف اوٗ سے لے کر فارسٹ پرنسپل چیف تک ،ڈپٹی ڈائریکٹر سے لے کر فارسٹ پروٹکشن کے ڈائریکٹر تک ،فارسٹ سیکریٹری سے لے کر چیف سیکریٹری تک ،ایم ایل اے سے لے کر چیف منسٹر تک لیکن ان کی یہ سب محنت بیکار۔قریب 2005 میں ریڈیو کشمیر سرینگر کے پروگرام شہربین نے بھی اس مسئلہ کو اجاگر کیا اور اس وقت کے فارسٹ منسٹر عبدالحمید قرہ کے ساتھ تفصیلی تبادلہ خیال کیا گیا اور منسٹر نے شکایت کا ازالہ کرنے کی یقین دہانی کی ۔ انگریزی اخبار Excelsior جو جموں سے شائع ہوتا ہے نے بھی 06 ستمبر 2012 میں اس مسئلے کو اجاگر کرنے کے لئے اپنے اخبار میں جگہ دی ۔یکم اپریل 2013 انگریزی اخبار روزنامہ کشمیر ٹائمز نے بھی اپنے اخبار کے پہلے صفحہ پر اس کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ۔لیکن تمام کوششیں صدا بصحرا ثابت ہوئی ۔اپنا حق ڈھونڈتے ڈھونڈتے پاؤں کو چھالے بھی پڑے بھوکے پیاسے در در کی ٹھوکریں کھاتے چلے گئے لیکن ان کی آواز کسی نے نہ سنی لگاتار ان کو اپنے حق سے محروم رکھا گیا۔ بلاآخر تقریباً نو سال گزرنے کے بعد 2005ء میں ان 682 واچرس کو فارسٹ پروٹکشن فورس میں واپس بھیج دیا گیا۔ جہاں پر انہوں نے مراعات نہ ملنے کے باوجود تن دہی سے دور دراز علاقوں میں جو جگہیں خطرے سے خالی نہ تھیں اپنی ڈیوٹی انجام دی۔ فارسٹ پروٹکشن فورس میں ان کے جو جونیئر تھے ان کی سینیارٹی مرتب کی گئی لیکن ان کو

نامعلوم وجوہات کی بناء پر نا امید رکھا گیا بہت کوششیں کرنے کے باوجود دفتروں کی چھان مارنے کے باوجود جب ان ملازموں کو کہیں کوئی امید نظر نہ آئی تو مجبور ہوکر انہوں نے 12 سال گذرنے کے بعد 2008 میں عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

''29 اپریل 2011 میں قابل احترام ہائی کورٹ آف جموں وکشمیر سرینگر نے اپنا فیصلہ سنایا جس میں ہائی کورٹ جموں وکشمیر نے یہ فیصلہ لیا کہ چیف سیکریٹری کی ہدایت پر سہ نفری کمیٹی تشکیل دے کر جو فارسٹ ڈیپارٹمنٹ، فارسٹ پروٹکشن فورس اور جنرل ایڈمنسٹریٹو ڈیپارٹمنٹ سے ہو۔اس کمیٹی کا یہ کام ہوگا کہ اس معاملے کی تحقیقات کریں اور کمیٹی تحقیقات کے بعد یہ فیصلہ لے گی کہ عرض دہندہ کو فارسٹ ڈیپارٹمنٹ کس تاریخ سے ان کے مراعات تسلیم کریگی۔ یہ کمیٹی اس معاملے کی تحقیقات کر کے یہ رپورٹ چیف سیکریٹری کو 2 ماہ تک پیش کریگی۔اس کے بعد چیف سیکریٹری اس رپورٹ کو ایک ماہ کے اندر اندر پورا کر کے حکام کو ہدایت دے کہ عرض دہندہ کو اپنا حق مل سکے اور اس ہدایت کو فارسٹ ڈیپارٹمنٹ تحقیق کر کے اس کیس کو عرض دہندہ کے مراعات جیسے ریلز آف الاونس اور ترقی وغیرہ ان عرض دہندہ کو دے۔ یہ سروس فائدے عرض دہندہ کو اس تاریخ سے ملنے چاہئے جہاں سے وہ تعینات ہوئے ہو۔ یہ سارا معاملہ 4 ماہ کے اندرا ندرا اپنے انجام تک پہنچنا چاہئے ۔اس فیصلے کے بعد ان ملازموں کو فارسٹ پروٹکشن فورس نے صرف اپنے ارکان تسلیم کیا باقی تمام مراعات سے یہ بدقسمت ملازم ابھی تک محروم ہیں۔آج 23 سال گذرنے کے باوجود ان ملازموں کو کوئی ترقی دی گئی نہ کوئی مراعات جبکہ واچر پوسٹ ترقی کا حقدار ہے۔23 سال سے ایک ہی پوسٹ پر کام کرتے آئے ان ملازموں کی روداد ایک ایسی داستان پیش کرتی ہے جو قابل غور ہے۔۲۳ سال پہلے یہ ملازم نوجوان تھے اور آج ان کے چہروں پر بڑھاپے کے اثرات عیاں ہیں،اب ان کے بچے جوان ہوئے ہیں۔اخراجات میں اضافہ ہوا ہے اور مہنگائی کے دور میں یہ ملازم اپنے اہل وعیال کا حق ادا نہیں کرسکتے۔بچوں کو اچھی تعلیم نہیں دے سکتے۔ان پڑھے لکھے نوجوانوں نے

ایک بڑا عرصہ کلاس فورتھ ملازمت میں گذارا ۔کیا ان کو ترقی کا حق نہیں جبکہ ان کا پوسٹ (واچر)Promotionable Job ہے۔محکمۂ ہذا کو کیا مشکلات ہیں ان کو ترقی دینے میں 682 واچرس کو اس کے جواب کا انتظار ہے۔ان کو ۲۳ سال گذرنے کے باوجود سینیارٹی مرتب کیوں نہیں ہورہی ؟ یہ سوال اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہے اور محکمۂ فارسٹ پروٹکشن فورس ان ہی کلاس فورتھ کو کیوں دور دراز علاقوں میں تعینات کرر ہا ہے اور ان سے برابر فارسٹ گارڈ کا کام لے رہا ہے لیکن انہیں اپنے حق سے محروم رکھا جار ہا ہے عدالت عالیہ کے فیصلے کو 10 سال گزرنے کے باوجود بھی عملی جامہ نہیں پہنایا گیا۔اس کے پیچھے کیا اغراض ومقاصد ہیں؟ کچھ واچرس ڈیوٹی کے دوران اپنی جان گنواں بیٹھے ان کا اہل وعیال قسم پرسی کی حالت میں ہے ۔محکمۂ ان کی طرف کوئی دھیان نہیں دے رہا ہے نہ ان کے اہل وعیال کو اپنا حق ادا کیا۔

تنگ آمد بہ جنگ آمد

ان واچرس کا کہنا ہے کہ اگر ہمیں اپنا حق نہ دیا گیا تو ہم اپنے جائز حقوق کی مانگ کو لے کر سڑکوں پر نکلنے کے لئے مجبور ہو جائیں گے۔ہم سے کام لیا گیا، ہم نے اپنی پوری جوانی جنگلات کی حفاظت کی خاطر صرف کی ، ہمارے یہ ۲۳ سال محکمۂ جنگلات وفارسٹ پروٹکشن فورس میں بے داغ ہے تب بھی ہمیں اپنے حق سے محروم رکھا گیا۔محکمۂ جنگلات میں کام ان مظلوم واچرس نے کیا اور سہرا آفسروں کے سروں پہ باندھا گیا۔ یہ ’’ کام کرتے سپاہ نام بڑے سردار کا‘‘ کے مترادف ہے۔کسی نے کیا خوب کہا ہے

تم شہر محبت کہتے ہو ، ہم جان بچا کر آئے ہیں
پتھر کے خدا، پتھر کے صنم ، پتھر کے ہی انسان پائے ہیں

❀❀

جنگلات کے محافظ

جہاں کشمیر کا ہر ایک شعبہ تباہی کی طرف گامزن ہے وہیں ہمارا شعبہ جنگلات بھی بہت حد تک متاثر ہو رہا ہے۔ پچھلے قریب 25 سالوں سے کشمیر تباہ و برباد ہو رہا ہے۔ لاقانونیت کا بول بالا ہے۔ ہمارے پڑھے لکھے نوجوان بھی جاہلوں سے کچھ کم نہیں۔ ان ڈگری ہولڈروں نے اپنا مقصد صرف گاڑیاں اور بنگلہ وغیرہ بنالیا ہے۔ اگر اسی طرح ہوتا رہا کہ ہم نے گاڑیوں اور بنگلوں کے لئے تعلیم حاصل کی۔ تو جو ہمارے قدرتی وسائل ہیں اُن کی طرف کوئی دھیان نہیں دے گا یہ قدرتی وسائل تباہ و برباد ہو کر رہ جائیں گے۔ جس طرح ہم نے کشمیر میں پانی کے خزانے کو تباہ و برباد کر دیا۔ (دریا جہلم ہو، نالہ پہرو ہو، یا نالہ مدھومتی وغیرہ وغیرہ ڈل جھیل ہو یا ولر جھیل کے کناروں پر بیت الخلاء تعمیر کئے گئے جو بھی گندگی نکلتی ہے وہ دریا میں پھینک دی جاتی ہے نتیجہ یہ نکلا کہ ہم نے کم ظرفی کی وجہ سے بیماریوں کو دعوت دی ہے۔ پانی کی وجہ سے ہم لوگ ٹائی فائیڈ، جونڈس، دست وغیرہ کے شکار ہوتے ہیں)۔

اسی طرح اب ہم جنگلوں کو تباہ و برباد کرنے کے درپے ہیں۔ جنگلوں کی صورت میں ہم کو اللہ تعالیٰ نے قدرتی وسائل عطا کئے ہیں وہ ہمارے لئے نعمت عظمیٰ سے کم نہیں لیکن بدقسمتی

یہ ہے کہ اس طرف کوئی دھیان نہیں دے رہا ہے۔ان جنگلوں کی تباہی و بربادی کے ذمہ دار کشمیری عوام ہی نہیں بلکہ ہماری حکومت اور محکمۂ جنگلات بھی ہے۔غلط پالیسی کی بناء پر ہمارے جنگلات کٹے جارہے ہیں۔محکمۂ جنگلات اپنی ذمہ داریوں کونہیں نبھا رہا ہے۔لوگوں تک جنگلوں کی افادیت نہیں پہنچائی جارہی ہے۔تاکہ عوام اپنا فرض ادا کر کے جنگلوں کی حفاظت کا بیڑا اُٹھاتے کیونکہ جنگلات قوم کا سرمایہ ہےقوم کی ہی پراپرٹی ہے۔

خاکسار تعمیل ارشاد کی پوری ٹیم کومبارک باد دیتا ہے جس نے جنگلوں کی حفاظت کے حوالے سے بیڑا اُٹھایا اور لوگوں کی خبرداری کے لئے مہم چلائی۔ادارہ تعمیل ارشاد یہ جان لے کہ انہوں نے جو بیڑا اُٹھایا ہے اس میدان میں اور زیادہ محنت کی ضرورت ہے اور تہہ تک جانے کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ تعمیل ارشاد کی پوری ٹیم کو اس حوالے سے اجر عظیم عطا فرمادیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے جنگل لٹے جارہے ہیں۔چاہئے درختوں کی بے دریغ کٹائی ہو۔جڑی بوٹیوں کو جڑ سے ہی ناپید کرنے کی کوشش ہو۔یا نوتوڑ کی صورت میں جنگلوں کو صفایا کرنا ہو۔بہرحال قوم کا خزانہ لوٹا جارہا ہے اگر یہ خزانہ لُٹ گیا تو کشمیر متاثر ہی نہیں۔بلکہ صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا۔

حکومت کشمیر نے جنگلوں کی مزید حفاظت کے لئے فارسٹ پروٹکشن ،فورس وجود میں لایا تھا۔لیکن لگتا ہے کہ یہ محکمۂ ،محکمہ جنگلات اور بیروکریٹوں کے لئے سونے کا انڈا دینے والی مرغی ہے۔اس محکمۂ کو وجود میں لانے سے محکمۂ جنگلات کے پرموشن کوٹا میں اضافہ ہوا ہے اور جتنا رقم محکمۂ فارسٹ پروٹکشن فورس کی تعمیر وتجدید پر خرچ ہوا اُس رقم سے عقلمند قوم میں ایک نئی تاریخ رقم ہوسکتی تھی۔

اگر اس محکمۂ کو بے شک جنگلوں کی مزید حفاظت کے لئے لایا ہوا ہوتا تو آج ۱۷ سال گزرنے کے باوجود اس محکمۂ کو کم ازکم سروس رولز بنائے ہوتے اور اس محکمۂ کے ملازموں کو ۱۷ سال سے ایک ہی پوسٹ پر کام کرنا نہ پڑتا۔مزید ستم ظریفی یہ ہے کہ اس محکمۂ کو

(فارسٹ پروٹکشن فورس) جنگلوں کی حفاظت کے حوالے سے ویپن (Weapon) (ہتھیار) سے لیس کیا جاتا تھا لیکن بدقسمتی سے پچھلے کئی سالوں سے فارسٹ پروٹکشن کے ملازموں کو بندوق کی رکھوالی کے لئے بارکوں میں رکھا گیا۔ اس بندوق کو کوٹھری سے پچھلے کئی سالوں سے نہیں نکالا گیا۔ اُدھر جنگل کٹتے ہیں۔ اِدھر ملازموں کو بندوق کی رکھوالی کے لئے بارکوں میں رکھا گیا۔ اگر بندوق کو جنگل کی حفاظت کے لئے لایا گیا۔ پھر کیوں نہیں فیلڈ میں اُتارا گیا؟ یہ سوال اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہے اگر بندوق کو فیلڈ میں اُتارنے کے لئے کچھ قانونی اڑچنیں درپیش ہیں تو Weapon لایا ہی کیوں گیا؟ جو املازم اس کی حفاظت پر مامور ہیں وہ جنگلوں کی حفاظت پر مامور کئے جاتے۔ جبکہ محکمۂ جنگلات کا بار بار یہی سوال ہے کہ ہمیں فیلڈ میں ملازموں کی کمی ہے۔ لنگیٹ ڈویژن میں کمپارٹمنٹ 12,14,15,18, وغیرہ کا صفایا ہورہا ہے۔ لرآنگن کے سمگلروں نے اتنا دباؤ ڈال رکھا ہے کہ محکمۂ اُن کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا اور درجنوں سمگلر ایک ساتھ چل کر رات کے اندھیرے کا فائدہ اُٹھا کر سمگلری میں کامیاب ہوتے ہیں۔ کئی سالوں سے اُن کا دھندا یہی چلا آرہا ہے۔

برمن، لرآنگن، کھاہ مو، لدولڑ ورہ، پانزلہ، شتلوہ وغیرہ کے ذی حس لوگوں کا کہنا ہے کہ یہاں پر موسم سرما بہت لمبا ہوتا ہے۔ چلہ کلان کی ٹھٹھرتی سردی میں یہاں پر بخاریوں، چولھوں کو جلانے کے سوا کوئی چارہ نہیں کیونکہ موسم سرما میں نہ یہاں بجلی ہوتی ہے۔ نہ گیس جو بھی کام چلانا ہوتا ہے وہ بالن پر ہی چلایا جاتا ہے۔ لیکن محکمۂ جنگلات کے پاس ہمیں بالن دینے کے لئے کوئی پالیسی نہیں۔ حقدار جنگل ہوتے ہوئے بھی ہمیں جرم کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے کیونکہ ہمارے جنگلوں میں جو بھی سوکھے درخت ہوتے ہیں۔ ونڈ فالن یا سنو فالن ہوتا ہے غرض جو بھی لکڑی ہمارے جنگلوں سے نکلتی ہے محکمۂ جنگلات اُس کو لے کر شہروں میں بھیج ڈالتی ہے جہاں پر گیس بھی اور بجلی بھی کچھ حد تک ہوتی ہے۔

یہ لوگ پھر محکمۂ جنگلات کے فیلڈ ملازموں سے ساز باز کر کے سبز درختوں کو کاٹ کر

خود بھی جرم کا ارتکاب کرتے ہیں ۔ کشمیر میں ہر فارسٹ ڈویژن میں کچھ علاقے ایسے ہیں جہاں پر محکمۂ جنگلات بے بس دکھائی دے رہا ہے ۔ فارسٹ کا مراج ڈویژن میں کمپارٹمنٹ 26 سے لے کر کمپارٹمنٹ 32 تک رام پور، راج پورہ (کھڈ گو، منگلو) کے سمگلروں نے ان کمپارٹمنٹوں کا صفایا کر رکھا ہے ۔ جب کمپارٹمنٹ 29,30,31 میں جاتے ہیں تو انسانیت روتی ہے یہ جنگل مکی بونے کے لائق ہوئے ہیں ۔ منڈ جی اور شواہ کے راستے سے ان جنگلوں کی لکڑی کو سمگل کیا جاتا ہے ۔اب تک لاکھوں فٹ کی تعداد میں کنڈی رینج نے لکڑی ضبط کی ہے ۔ کچھ لکڑی ضبطی میں لائی گئی اور کچھ لکڑی سے اپنا چندہ گرم کیا گیا ۔ پچھلے کئی سالوں سے یہ کمپارٹمنٹ لگا تار کٹے اور لٹے جا رہے ہیں محکمۂ جنگلات بے بس دکھائی دے رہا ہے ۔ بڑے آفسروں کو چاہیئے کہ کرسی سے اُٹھ کر خود اُن کمپارٹمنٹوں کا گشت کریں ۔ خود مشاہدہ بھی ہوگا، چلنے پھرنے سے صحت بھی ٹھیک ہوگی ۔شوگر، بلڈ پریشر وغیرہ سے بھی محفوظ رہیں گے ۔ بدلو کے سائے تلے کینسر سے بھی محفوظ رہیں گے ۔

محکمۂ جنگلات کے کچھ ملازموں سے جب بات کی گئی تو جواباً اُنھوں نے کہا ہمارے پاس ملازموں کی کمی ہے ۔ ہلپر، واچروں کو جنگل کے بیٹ چارج میں دیئے گئے ۔ کئی کئی بیٹوں کے لئے ایک ہی ملازم تعینات ہے ۔ دو دو بلاکوں کو ایک ہی B.O (بلاک آفیسر) تعینات ہے ۔ کچھ ملازموں کا کہنا ہے کہ ہمیں پرموشن سے محروم رکھا جاتا ہے ۔ ہم سے دن رات کام لیا جاتا ہے لیکن سروس کے فائدے مکمل نہیں دیئے جاتے ۔ اب بات یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ کیا ملازم سروس کے مکمل فائدے نہ دیئے جانے پر اپنا نزلہ قوم کے سرمایہ کو لوٹنے کے لئے جھاڑ دیتے ہیں ۔

❁❁

مجھے لوٹا میرے رکھوالوں نے

کیا ہمارے جنگل مستقبل میں محفوظ ہونگے؟ یہ سوال اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہے۔ میں اپنے مقدور کے مطابق حق ادا کرنے کی کوشش کررہا ہوں، میرا ہرگز یہ مزاج نہیں کہ میں کسی کو ذلیل کروں، ہاں یہ ضرور کوشش کررہا ہوں کہ غلط ذہن رکھنے والوں میں کچھ بدلاؤ آئے اور میری کوشش ہے کہ زمینی حقائق ان تک پہنچاؤں جن کو اللہ نے طاقت دی ہے کہ قوم کے سرمایہ کو قوم کے لئے محفوظ رکھا جائے۔

قدرت نے کشمیر کو ان سرسبز پہاڑوں سے دلہن کی طرح سجایا ہے۔ سرسبز درخت (دیودار، کائیرو، بدلو وغیرہ) جڑی بوٹیاں اور یہ آبشار اس دلہن کے گہنے ہیں۔ اگر ان گہنوں کو ہم نے اس طرح لوٹا جس طرح پچھلے کئی سالوں سے لوٹتے آئے ہیں، تو دلہن، دلہن نہیں رہے گی، اس کا وہ مول نہیں رہے گا، اس کا حسن تپتی دھوپ سے ماند پڑھ جائے گا، اس کو دیکھنے کی وہ تڑپ نہ رہے گی، جس کی یہ مستحق ہے۔ اس کے عاشقوں میں کمی ہی نہیں بلکہ اس دلہن کے عاشق اس سے متنفر ہونگے۔

کیا آپ کومعلوم ہے کہ اگر کشمیر میں جنگل نہ رہے تو کیا ہوگا؟ گرمی کی شدت ہوگی، سردی کی لہر ہوگی، سیلابوں کا آنا معمول بنے گا، آبشار کہیں دکھائی نہ دیں گے، خوبصورتی چہروں پر نہ رہے گی، بیماریاں زیادہ ہونگی، میٹھے پانی کے بوند بوند کے لئے ہم ترسیں گے، چشمے نہ رہیں گے، لکڑی کے ایک فٹ کے لئے ترسیں گے، سبزہ زار کہیں نظر نہ آئے گا، بلکہ ہر طرف صحرا ہوگا، زمین کھسک جائے گی۔ایک خاص بات ان پہاڑوں میں یہ ہے کہ کشمیر کی رکھوالی کا کام کرتے ہیں اگر یہ پہاڑ نہ رہیں گے تو کشمیر کا نمایاں رول نہ رہے گا۔

جہاں جہاں جنگل لٹے ہیں ان لوگوں سے جا کے پوچھو کہ بالن کی معمولی گھٹے کے لئے کیسے ترستے ہیں، جہاں روٹی پکانے کے لئے گیس ہے نہ ہیٹر، ٹنگمرگ کے بدرکوٹ بلاک کے چھیندل، بدرکوٹ، کلہامہ، دارہامہ وغیرہ کے عورتوں سے پوچھو کہ کتنی سختی جھیل کر بالن کا معمولی گھٹا حاصل کرتے ہیں۔غلطی کسی کی نہیں ہے، غلطی ان لوگوں کی اپنی ہے کہ جنگل میں درختوں کے ٹاپ کاٹ کر اور چھلکے اتار کر وقتی طور اپنا فائدہ حاصل کیا لیکن جب درختوں کے ٹاپ کٹ گئے اور چھلکے اتارے گئے تو درختوں کا سوکھنا مقدر بن گیا اور وہاں کے جنگل، جنگل نہ رہے بلکہ جنگلوں نے پارکوں کی شکل اختیار کی اور آج وہی لوگ بالن اور کوئلہ کے لئے ترستے ہیں، اس وقت بھی وہاں جنگل کٹتے ہیں۔مشاہدہ کیجئے کمپارٹمنٹ 62, 63 اور گوگل ڈارا میں کمپارٹمنٹ 29, 30 زنڈ پال میں کمپارٹمنٹ 66 وغیرہ۔

کامراج ڈویژن کپوارہ میں کنڈی رینج کی جو تباہی ہوئی ہے یا ہو رہی ہے تو لگتا ہے کہ یہ رینج بھی عنقریب بنجر جیسی صورتحال اختیار کرے گی کیونکہ اس رینج میں ایک دو بار آفسروں کا روڑ شو بھی ہوا تھا لیکن نہ جانے روڑ شو کے بعد جنگلوں کی زبوں حالی کا رپورٹ دیا بھی گیا ہے یا نہیں۔اگر دیا گیا تو محکمہ نے جنگل بچاؤ کے لئے کون سے اقدام کئے؟ زمینی سطح پر کچھ نظر نہیں آتا۔مشاہدہ کیجئے کنڈی رینج میں کمپارٹمنٹ 26,27,28,29,30,31 وغیرہ۔

فارسٹ ڈویژن لنگیٹ بھی خودغرض لوگوں سے محفوظ نہیں، جے وی ڈویژن بارہمولہ کا حال

بھی کچھ ٹھیک نہیں۔ بوسنیا میں کمپارٹمنٹ 1,2,3 راجوار میں کمپارٹمنٹ 13,14,15,16,24 وغیرہ، برمن میں کمپارٹمنٹ 14,15 وغیرہ جہاں پر ہر روز کسی نہ کسی بہانے درجنوں درخت کٹ جاتے ہیں اور Stumps کو موقع پر ہی ختم کیا جاتا ہے، کوئی نشان نہیں رکھا جاتا، آفیسر لوگ ان دور دراز علاقوں میں جانے کی زحمت نہیں کرتے۔ نوتوڑ اس حد تک کشمیر کے جنگلوں میں ہوا ہے کہ اب انتہا ہوگی، آپ اس چیز سے اندازہ لگا سکتے ہو کہ کمپارٹمنٹ 6 اور 7 دوآبگاہ رینج جے وی فارسٹ ڈویژن بارہمولہ میں 40 سے 50 تعمیرات کھڑے ہوئے ہیں جس میں مکین زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کمپارٹمنٹ 12 کھاہ مولنگیٹ ڈویژن کی اب یہ شکل ہے کہ یہ جنگل نہیں بلکہ لوگوں کی ملکیت دکھائی دے رہی ہے۔ اس طرح اس کمپارٹمنٹ میں سیبوں کے درخت، سفیدے، اخروٹ کے درخت وغیرہ ہے جو لوگوں کی ملکیت بنی ہوئی ہے اور تعمیرات کھڑے ہیں۔ یہ نوتوڑ تقریباً 10 سے 15 سال پرانا ہے اور آج دھیرے دھیرے تعمیرات کو بڑھایا جا رہا ہے تب کہاں تھا محکمۂ جنگلات اور آج کہاں ہے؟ جنگلوں کو اپنی اصلی حالت میں لانے کے لئے کیا پالیسی اختیار کی جا رہی ہے؟ محکمۂ جنگلات کے فیلڈ سٹاپ کے ہاتھوں میں اب کچھ بھی نہ رہا۔ اب محکمۂ جنگلات کا فیلڈ سٹاپ چائے پانی کو ہی غنیمت سمجھتے ہیں، ویسے کیا بتائیں محکمۂ جنگلات نے فیلڈ، ہلپروں، مالیوں، ان پڑھوں کے ہاتھوں میں دیا ہے ان کو کیا معلوم جنگلات کیا ہے۔ ان کے مطابق یہ بابا کی کھیت ہے اور اس میں بابا نے سونے کے انڈے دینے والی مرغی رکھی ہے اس لئے ہر روز یہ لوگ سونے کا انڈا لے کر گھر آتے ہیں۔ یہ لوگ اب جنگلات کی کٹائی کرنے میں بہت ماہر ہو چکے ہیں، جس درخت کو کٹواتے ہیں اس درخت کا Stump اس طرح بنواتے ہیں یعنی stump کے ارد گرد چھلکے اترانے میں اتنے ماہر ہیں کہ چیکنگ آفیسر کو پتہ بھی نہیں چلتا اور کہتے ہیں کہ اس منڈھا کو Refresh یا Recut کیا گیا، پھر رینج آفس میں جا کر چائے پانی پلا کر وہاں ان Stumps کے لئے نمبرات حاصل کرتے ہیں، پھر ان Stumps پر کھدائی کر کے یہ نمبرات دیتے ہیں جیسے

R1/14 یعنی یہ Stump رکٹ کیا گیا یہ کوئی نیا درخت نہیں کٹا، یا درخت کٹوا کر Stumps کو جلا دیتے ہیں اور خود چھلکے جمع کر کے جلا دیتے ہیں محکمۂ جنگلات کے آفیسروں کو اتنی چربی چڑی ہے یا فربیہ ہوتے ہیں، کہ جنگل کے دامن سے اوپر چڑھ ہی نہیں سکتے۔ نہ اتنی فرصت ہے کہ دیکھتے رکھوالوں سے کیسے لوٹا جاتا ہے سرمایہ قوم کا اپنے دفتر میں اپنے ماتحتوں یا فیلڈ ورکروں سے چائے وغیرہ منگوانا یا پارٹی کے لئے انتظامات کروانا جنگل کٹانے کا اجازت نامہ ہوتا ہے۔

میرے مشاہدہ میں ہے کہ جنگل کی حفاظت پر مامور اکثر اہلکار اتنی محنت کرتے ہیں کہ خون پسینہ بہا کر جنگل کی حفاظت کرتے ہیں لیکن راشی ہر وقت ان کی محنت پر پانی پھیر دیتے ہیں اور ان کو نااہل قرار دے کر سل میں رکھا جاتا ہے۔ ایک طرف جنگل کی حفاظت کے لئے مختلف محکمۂ جات وجود میں لائے گئے دوسری طرف محکمۂ جنگلات کے اکثر بلاک و بیٹ رکھوالوں سے خالی ہے، کیا ہی اچھا ہوتا اگر فارسٹ پروٹکشن فورس کو ختم کر کے محکمۂ جنگلات میں ضم کر کے ان ملازموں کو بارکوں میں رکھنے کے بجائے بیٹوں میں تعینات کیا جاتا تا کہ جنگلات کی حفاظت کے لئے محکمۂ جنگلات میں Strength بڑھ جاتی۔ جب کوئی چھوٹا ملازم کوئی چھوٹی چوری کرتا ہے تو آسمان سر پر اٹھایا جاتا ہے لیکن بڑے بڑوں کا چوری کا انداز ہی کچھ نرالا ہے کوئی حرام مال کھاتا ہے کمیشن کہہ کے تو کوئی اور نام دئے کر چوری کا مال ہڑپ کر بیٹھتا اور کوئی اُف تک بھی نہیں کرتا۔ بس ٹھیک اسی طرح ہمارے جنگلوں کو بھی رکھوالوں نے لوٹا۔ ادھر حق دار جنگل کو موسم سرما کی شدید سردی میں جلانے کے لئے بالن نہیں تپنے کے لئے کوئلہ نہیں اور سرڈھانپے کے لئے غریب لوگ لکڑی کی ایک فٹ کے لئے ترستے ہیں اور لکڑی کی سیکشن کے لئے سال بھر دفتر کے چکر کاٹتے ہیں۔ اُدھر جب عمارتی لکڑی بڑے ٹھیکداروں میں تقسیم ہوتی ہے تو فارم 16 پر بھی لفٹنگ ہوتی ہے اور چیرائی بھی جاتی اور جب یہ عمارتی لکڑی جو فارم 16 پر (جو اصل میں پیسوں کی رسید ہے) لفٹنگ کی گئی ہضم ہوتی ہے

تب فارم 17 پر اُسی ناپ کی اور لکڑی دی جاتی ہے جو سر عام چرائی کی جاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ غرض 50 گورنمنٹ خزانے میں اور 50 اپنے جیب میں بات کچھ دشوار ہے لیکن سمجھنے والوں نے سمجھی ہوگی۔ ضبط شدہ عمارتی لکڑی کا جو حال ہوا ہے یعنی دھوپ اور بارش سے لاکھوں فٹ کی عمارتی لکڑی خاک ہوتی اور ہو رہی ہے کیا عوامی عدالت میں یہ لوگ بچ سکتے ہیں۔ شاید کبھی کوئی بیدار ہوگا۔

خوب فرمایا احمد ندیم قاسمی نے

ذکر مریخ و مشتری کے ساتھ
اپنی دھرتی کی بات بھی تو کرو
موت کا احترام بر حق ہے
احترام حیات بھی تو کرو

جنگلات کی آگ، وجوہات اور بچاؤ

جہاں جنگلوں کی تباہی کی وجوہات بڑھتی آبادی کا دباؤ، گھاس چرائی، نوتوڑ، جنگلوں کی سرکاری طور پر کٹائی و دیگر نکاسی، شاخ تراشی وغیرہ ہیں۔ وہیں جنگلوں کی تباہی و بربادی کی ایک بڑی وجہ آگ بھی ہے۔ جہاں گھاس چرائی جنگلوں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے کئی سال لے لیتی ہے وہاں آگ چند گھنٹوں میں یہ کام پورا کر دیتی ہے۔ جنگل میں پڑا ہوا ایندھن جیسے سوکھی لکڑی، گھاس، سوکھے پتے، گرے ہوئے درخت وغیرہ آگ کو بڑھاوا دیتی ہے۔ سوکھے میں آگ کی وارداتیں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ آگ سے جنگلوں کو کئی طرح کے نقصانات ہو تے ہیں جیسے ہمارے درخت جل جاتے ہیں۔ ان درختوں کے چھوٹے پودے و جھاڑیاں جل جاتی ہیں اور جنگل کا فرش ننگا ہو جاتا ہے۔ جنگلی جانوروں، پرندے، گھونسلے، انڈوں اور بچوں سمیت جل جاتے ہیں یا بھاگ جاتے ہیں۔ زمین کی اوپری والی زرخیز تہہ جل کر راکھ ہو جاتی ہے جس میں اربوں کروڑوں کیڑے مکوڑے جاندار خوردبینی ذرے جو زمین کو زندگی دیتے ہیں اکٹھے جل جاتے ہیں۔

جنگل جل جانے سے علاقے ویران ہو جاتے ہیں۔ قدرتی ماحولیات کو بہت زیادہ

نقصان ہوتا ہے۔جنگل کی زمین بے کار ہو جاتی ہے۔آگ ریگستانوں کو آگے بڑھنے میں مدد دیتی ہے۔افریقہ کا صحرا اعظم آگ و بکری کی بدولت بنا ہے۔غرض جلے ہوئے جنگل کی زمین کی زرخیزی کو واپس آنے میں تقریباً 40 سے 50 سال تک لگ جاتے ہیں۔آگ کے مسئلے کا حل اس کی روک تھام ہے نہ کہ آگ بڑھکنے کے بعد اس پر قابو پانا۔آگ بالن سے پیدا ہوتی ہے۔اسلئے جنگلوں میں پڑے ہوئے بالن کو اکٹھا کر کے محفوظ جگہوں پر ضروری پہنچانا ہوتا ہے۔اس کام کو حق دار جنگل بخوبی انجام دے سکتے تھے۔لیکن کہیں کہیں کئی وجوہات کی بناء پر ہماری مائیں اور بہنیں جنگل کی طرف رُخ کرنے کو کتراتی ہیں جس کی وجہ سے جنگلوں میں پڑا ہوا ایندھن (سوکھی لکڑی، گھاس ،سوکھے پتے) وغیرہ کی تعداد بڑھ جاتی ہے اور جنگلوں میں آگ لگنا آسان بن جاتا ہے۔بارش کے دنوں میں ملبہ کو اکٹھا کیا جا سکتا ہے اور احتیاط سے جلا یا جا سکتا ہے۔تا کہ جنگل میں آگ نہ پھیلیں۔جنگلوں کو کٹائی کے ملبے سے صاف کرنا قانون میں لازمی ہے ۔ جان بوجھ کر جنگل جلانے والوں کیخلاف کڑی کارروائی کی جانی چاہیے۔ ایسے شرارتی عناصر کی پہلے سے ہی نشاندہی کی جائے اور ان پر نظر رکھی جائے۔ان سب باتوں کے لئے محکمۂ جنگلات پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ آگ کے موسم میں مقامی لوگوں ،سکولی بچوں و عام پبلک کو خبر دار کرنا ضروری ہے۔اس کے علاوہ ان کو آگ بُجھانے کی تربیت دینا بھی لازمی ہے تا کہ بوقتِ ضرورت تربیت یافتہ افراد آگ بجھانے کے کام میں استعمال کئے جاسکیں۔اسکولی بچوں کو آگ کے مضر اثرات سے آگاہ کیا جانا چاہیے۔ریاست جموں و کشمیر پہاڑی ریاست ہونے کی وجہ سے آگ پر قابو پانے کے لئے جدید مشینیں کارگر نہیں ہوسکتی ۔ اس لئے ہمیں آگ کی روک تھام کے لئے پُرانے طریقوں پر زور دینا چاہیے۔

جنگلات ہمارا قومی سرمایہ

کشمیر کی پہچان یہاں کے جنگلوں کے بغیر ناممکن ہے۔ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ کشمیر کے جنگلات کشمیری قوم کا ایک انمول سرمایہ ہے اس پر سوائے کشمیری قوم کے اور کسی کا حق نہیں۔ محکمۂ جنگلات کا کام صرف اور صرف قوم تک جنگلوں کی افادیت پہنچانی ہے اور قوم کو وہ سامان مہیا کرنا جس سے ہمارے جنگل محفوظ رہ سکیں اور اجڑنے سے بچ سکیں۔ جنگلوں کی رکھوالی قوم کے ذمہ ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ قوم کی ہی جائیداد وراثت ہے۔ کسی ایک فرد کو اس سرمایہ کو لوٹنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ قوم نے اگر جنگلات کی دیکھ ریکھ کرنے میں غفلت برتی تو پھر اس نایاب سرمایہ کے نقصان کی تلافی ناممکن ہو گی اگر ان نامساعد حالات کا کچھ بے ضمیر لوگ غلط فائدہ اٹھا کر قوم کے سرمایہ کو دو دو ہاتھوں لوٹ رہے ہیں جو کہ اخبارات کے ذریعے بھی پتہ چل رہا ہے۔ لیکن کچھ علاقوں میں دیکھا گیا کہ لوگوں نے از خود کمیٹیاں بنا کر جنگلوں کی حفاظت کرنا شروع کی ہے جو خوش آئند بات ہے۔

عسکری کمانڈر برہان مظفر وانی کے جاں بحق ہونے کے بعد کشمیر میں حالات بے حد پر تناؤ ہوئے۔ نقل وحمل میں کشیدگی پیدا ہوئی۔ جنگل سمگلر فائدہ اٹھانے کی تاک میں تھے۔ محکمۂ جنگلات و فارسٹ پروٹیکشن فورس کے بہادر ونڈر ملازمین ان (جنگل سمگلروں) کو ناکام کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ لیکن ان نامساعد حالات میں نقل وحمل میں دقتیں آنا ضروری بات ہے۔ اس لئے وقت کی اہم ضرورت ہے کہ حق دار جنگل اپنے پاؤں پہ کھڑا ہو کے اس قوم کے سرمایہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ

کریں اور جنگل کی افادیت کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ایسا نہ ہو کہ کچھ گنے چنے جنگل سمگلر ہمارے سر چڑھ کر اس انمول نعمت کو لوٹنے میں کامیاب ہو جائیں اور پھر ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں گے جب ہمیں بہت سارے مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔جنگلوں کی موجودگی سے ہی کشمیر کا موسم خوشگوار ہوتا ہے۔جنگلوں کی بدولت سے ہی ہم پانی سے مالا مال ہے اور بہت ساری بیماریوں سے محفوظ ہیں۔غرض ہمارے جنگل ہمارے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ہمیں چاہئے کہ محکمۂ جنگلات سے مل کر اس انمول سرمایہ کو محفوظ کرنے کے لئے قدم اٹھائیں،محکمۂ یا عوام میں غلط عناصر کو اپنے بے کار مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دینا ہے۔محکمۂ جنگلات کو ایک عظیم کام سونپا گیا ہے کہ ایک وسیع اراضی کی دیکھ ریکھ کرنا۔اس وسیع اراضی کی دیکھ ریکھ کرنا ایک یا دو ملازم کے بس کی بات نہیں جب تک نہ عوام کا ساتھ ہو۔محکمۂ جنگلات کو چاہئے کہ لوگوں تک بذریعہ میڈیا جنگل کی افادیت پہنچائے۔تاکہ لوگ آمادہ ہو جائے خود جنگل کی حفاظت کے لئے پچھلے تقریباً 27 سالوں سے وادی میں نامساعد حالات چل رہے ہیں جس کے شکار ہمارے جنگل بھی ہوتے ہیں اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہماری قوم جنگلات کی افادیت سے بے خبر ہیں۔یہ ذمہ داری محکمۂ جنگلات پر ہے کہ باقی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ اس ذمہ داری میں لاپرواہی نہ کریں کہ اخبارات وغیرہ کے ذریعے سے لوگوں کو باخبر کیا جائے کہ جس چیز کو ہم نقصان پہنچا رہے ہیں۔وہ ہماری آنے والی نسل کے لئے کتنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔اس وقت اخبارات وادی میں واحد ذریعہ ہے جو ہر علاقہ و گاؤں میں پہنچ رہا ہے اور ایک دستاویز کی شکل میں موجود بھی رہتا ہے۔

محکمۂ جنگلات کو چاہئے کہ غفلت برتنے کے بجائے لوگوں تک بذریعہ اخبار و ریڈیو وغیرہ سے جنگل کی افادیت پہنچا کر ہر گاؤں و محلّہ میں کمیٹیاں تشکیل دے کر نایاب سرمایہ کو محفوظ کرنے کی تگ و دو کریں۔جنگلات کو محفوظ کرنے میں عوام کا ساتھ واحد ذریعہ ہے۔کیونکہ

جنگلوں میں قدرتی وسائل کی پکار
حقدار جنگل ہو جائے غفلت کی نیند سے بیدار

کیا ہمارے جنگل محفوظ ہیں؟

یہ مسئلہ آئے روز اخباروں اور دیگر ذرائع ابلاغ کا موضوع بحث بنا رہتا ہے کہ ہمارے جنگل قطعاً محفوظ نہیں۔ کیا ہوگا؟ اگر ہمارے جنگل محفوظ نہیں رہے ہم سب جانتے ہیں کہ جنگلوں کی بُربادی سے ہماری زندگی درہم برہم ہوگی موسموں کا توازن بگڑ جائے گا۔ معاشی حالت بگڑ جائے گی۔ صحت پر بُرا اثر پڑ جائے گا۔ پینے کے لئے پانی کی قلت ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ ایک بار اگر ہمارے جنگل ختم ہوئے تو دوسری بار جنگلوں کو بسانا ناممکن ہوگا، کیونکہ دیودار، کائیرو اور بدلو کے جنگلوں کو اپنی اصل شکل میں آنے کیلئے صدیاں درکار ہیں جو آج کے دور میں ناممکن ہوگا۔ ہماری قوم کو ہوش کے ناخن لینے ہونگے۔ کشمیر کے جنگل، کشمیریوں کے توجہ کے منتظر ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم غفلت کی نیند میں پڑے رہیں گے اور آنے والی نسل ہمارے کرتوتوں پر بیزار رہے گی۔ دیودار، کائیرو اور بدلو سے بھرے ان پہاڑوں نے ہماری وادی کو چار چاند لگائے۔ سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہماری وادی ان سرسبز جنگلوں کی بدولت ہے۔ ہم نے جنگلوں کی زمین کو ہڑپ کر کے بڑے بڑے محل، کارخانے، ہوٹل اور ریسٹورنٹ تیار کئے ہیں جن سے ہمیں فائدہ محسوس ہوتا ہے، لیکن یہ محل، کارخانے، ہوٹل، ہٹس وغیرہ ہمارے کسی کام کے نہیں رہیں گے اگر

ہمارے جنگل برباد ہوئے تھا کہ جنگلوں کی بُربادی سے کشمیری اپنی خوبصورتی اور تندرستی سے بھی محروم رہیں گے۔ ہمیں اپنے جنگلوں پر بروقت نگاہ رکھنی ہوگی نہ کہ جنگلوں کو لُٹا کر، جلا کر، جنگلوں کی زمین کو ہڑپ کرنے کے بعد اخباروں کو سُرخیوں سے سجانا ہوگا۔ جنگلوں کا برباد ہونا اور جنگلی جانوروں کا بستیوں کی طرف رُخ کرنا باعث تشویش نہیں یہ تو ہونا ہی ہے۔ اگر ہمارے جنگل ایسے ہی لُٹتے رہے اور آگ کی نظر ہوتے رہے تو جنگلی جانور زیادہ وحشی ہوکر انسانوں پر ٹوٹ پڑیں گے۔ تب انسان صرف ہاتھ ملتا رہے گا۔ لیکن حاصل کچھ نہیں ہوگا۔

صرف محکمۂ جنگلات پر یہ اُمید لگائے رکھنا کہ یہ لوگ ہمارے جنگلوں کی حفاظت کریں گے سراسر ناانصافی ہوگی اور محکمۂ جنگلات اور اس کی سسٹر ونگز آپس میں رسہ کشی پر تُلے ہوئے ہے جیسے محکمۂ جنگلات، فارسٹ پروٹیکشن فورس، ایس ایف سی وغیرہ شیر اور بکری کے مترادف نظر آرہے ہیں۔

دوم محکمۂ جنگلات کے لوگ جنگلات کے علم سے نابلد ہیں اگرچہ آفیسروں کے پاس بڑی بڑی ڈگریاں ہیں لیکن وہ ان ڈگریوں کو اپنی پرموشن اور دولت کمانے پر مرکوز کئے ہوئے ہیں 17-09-2017 جنگلات کے منسٹر (لال سنگھ) نے شیخ باغ پرنسپل چیف آفیس کے پارک میں ایک تقریب میں بجا ہی کہا ہے کہ ان جنگلات کے آفیسرز نے جنگلات کی پالیسی کے بارے میں کبھی بھی لب کشائی نہیں کی صرف اپنی پرموشن کے بارے میں اچھی پوسٹنگ کے بارے میں ہاتھ پاؤں مارتے رہتے ہیں۔

سوم یہ کہ جنگلات، حکومت یا محکمۂ جنگلات کا ہی سرمایہ نہیں بلکہ یہ قوم کی پراپرٹی ہے۔ قوم خاص کر ذی حس لوگوں اور جوانوں کو آگے آکر اس سرمایہ کی حفاظت کرنی ہوگی۔

میڈیا والوں کو چاہیے کہ جنگل کی بربادی کو اپنی سُرخیوں میں لانا ٹھیک ہے لیکن اپنے اخباروں میں مستقل ایک کالم رکھا جائے جس میں جنگل کی افادیت بیان ہو۔ جنگل کی افادیت بیان کرنے میں کاغذ اور قلم کم پڑ جائیں گے۔ صرف جنگل کی افادیت کا علم حاصل کرنا

ضروری ہے۔

اگرچہ پرائیمری سطح سے لے کر ہائر ایجوکیشن تک نصاب میں جنگل کی افادیت کے بارے میں کہیں نہ کہیں نظر پڑہی جاتی ہے لیکن یہ نصاب صرف امتحان پاس کرنے کیلئے ہے۔ بچوں کو پریکٹکل نہیں دکھایا جارہا ہے۔ نہ کلاس روم سے باہر جنگلوں کی طرف بچوں کو تجربہ حاصل کرنے کیلئے اور جنگلات کے سبق سے دلچسپی لینے کے لئے لیا جارہا ہے۔ یہ ایک المیہ سے کم نہیں۔ وادی کشمیر کے جنگل اور پہاڑ جموں وکشمیر کی ریڈھ کی ہڈی ہے۔اس کی دیکھ ریکھ کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

تحفظ جنگلات کے لئے کوششیں

اس میں کوئی شک نہیں کی کشمیر کا حسن کشمیر کے جنگلوں میں چھپا ہوا ہے۔ کشمیر کے جنگلوں پر جتنا بھی تبادلہ خیال کیا جائے وہ کم ہے نہ جانے قدرت نے کب سے ان حسین و جمیل جنگلوں سے جنت نظیر کشمیر کو سنوارا اور سنبھالا ہو۔ ہمارے جنگل لاکھوں کروڑوں سال سے گواہ ہے کہ اس دھرتی نے کتنے نشیب وفراز دیکھے ہیں۔ بدلتے اوقات میں ہمارے جنگلوں کو عروج و زوال سے بھی سابقہ پڑا ہے۔ تاہم اگر آج دیکھا جائے تو ہمارے جنگل زوال کی طرف بڑھتے جارہے ہیں۔ اگر جنگل کے پالیسی ساز ابھی بھی خواب غفلت سے بیدار نہ ہوئے تو وہ دن دور نہیں جب کشمیر صحرا میں تبدیل ہو جائے اور کشمیری عوام دنیا میں سب سے گھٹیا اور بے حس قوم نظر آنے لگے۔ اس سلسلے میں راقم نے فارسٹ نان گزیٹیڈ ایسوسی ایشن کے اسٹیٹ پریذیڈنٹ شیخ بشیر احمد سے ایک مختصر اور مدلل تبادلہ خیال کیا۔ شیخ بشیر احمد نے جون 2014 میں فارسٹ نان گزیٹیڈ ایسوایشن کی صدارت سنبھالی تب سے آج تک موصوف مسلسل اس دوڑ دھوپ میں ہے کہ کس طرح جنگلات کی تباہی اور ملازموں کے مشکلات کا ازالہ ہو۔

مختصر علیک سلیک کے بعد صرف اور صرف جنگلات، محکمۂ جنگلات، ملازمین، افسران، حقدار جنگل، پر تجربات، احساسات اور مشکلات کا تبادلہ خیال ہوا۔ سب سے پہلے

جس بات سے شروعات ہوئی وہ یہ ہے کہ ڈائریکٹر جنرل آف فارسٹس نئی دہلی یہ محسوس کرتے ہیں کہ جنگلات کا **Font Line Staff** بہت سارے مشکلات کا سامنا کر رہا ہے۔ جس بارے میں انہوں نے چیف سیکریٹری جموں و کشمیر سرینگر 22 اپریل 2014 کو لکھا ہے کہ جتنا جلدی ہو سکے شکایات کا ازالہ کیا جائے۔

شیخ بشیر احمد نے کہا کہ اکثر آفیسر حضرات Front Line Staff کے ساتھ لاتعلقی کا اظہار کرتے ہیں۔ مگر کچھ آفیسر حضرات جن کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے وہ ہماری حالت زار کو محسوس کر رہے ہیں جن میں سے کچھ افیسران اور منسٹر حضرات کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ عبدالرشید خان سابق چیف کنزرویٹر ملازموں کو ترقی سے وقت پر نوازتا تھا حتیٰ کہ مڈل پاس ملازمین کو بھی وقت پر ترقی سے نوازا جاتا تھا۔ غلام نبی وانی سوگامی (فارسٹ منسٹر) نے کپواڑہ فارسٹ ڈویژن میں فارسٹ آرام گاہ یعنی **Rest House** بنائے خاص کر چنڈی گام **Rest House**، ڈورس **Rest House**، دیوراندر بک **Rest House** وغیرہ اس سے وادی لولاب میں ٹورسٹ کو بڑھاوا ملا۔ اُس نے علامہ اقبالؒ کا یہ شعر بھی گنگنایا:۔

پانی تیرے چشموں سے تڑپتا ہوا سیماب

اے وادی لولاب، اے وادی لولاب

فارسٹ منسٹر چودھری محمد رمضان کے دور میں ہندواڑہ میں Forest Enviroment Hall بنایا گیا، فارسٹ ایکٹ میں ترمیم کی گی جس میں فارسٹ آفیسر کو زیادہ سے زیادہ اختیارات دیئے گئے۔ فارسٹ پروٹیکشن فورس کو وجود میں لایا گیا۔ لیکن ہم چاہتے ہیں کہ فارسٹ پروٹیکشن فورس ہمارے ساتھ (NGFOA) شانہ بشانہ کام کریں۔ شیخ بشیر نے کہا کہ میں ذاتی طور فارسٹ پروٹیکشن فورس کا دکھ درد محسوس کرتا ہوں میں اُن کا بھی خادم ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم ایک بینر تلے کام کریں۔ ہمارا مدعا اور مقصد ایک ہی ہے۔ وہ ہے تحفظ جنگلات، یہاں پر یہ ذکر ضرور کرنا چاہوں گا کہ فارسٹ پروٹیکشن فورس **(FPF)** گارڈ بشیر احمد

بٹ کہمل ڈویژن جو ایک حادثہ میں رحمت حق ہوا۔ اُس کو نان گزیٹیڈ فارسٹ آفیسرز نے تعزیتی مجالس کا انعقاد بھی کیا کتبہ بھی ایسوسی ایشن نے ہی نصب کیا۔ سابق پرنسل چیف پی پٹنا یکہ جو کہ Unnessary کبھی بھی ملازموں کو تنگ نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ استاد اور شاگرد جیسا سلوک کرتے تھے اور انہوں نے ہمیشہ Back Door Entry کے خاتمہ کے لئے کوششیں کیں۔ ارشاد احمد خان سابق پرنسپل چیف کنزرویٹرز بردست خوددار آدمی تھے اور وہ کبھی بھی سیاسی دباؤ میں نہیں آتے تھے۔ سابق کنزرویٹر نارتھ میاں جاوید صاحب فارسٹ ایسوسی ایشن کی بہت عزت کرتے ہیں اس کی Administration قابل داد ہے خاصکر وہ وعدوں کے بہت پابند ہیں۔ یہاں پر راقم بھی محترم میاں جاوید صاحب کو داد تحسین پیش کرتا ہے۔ ڈپٹی ڈائریکٹر فاسٹ پروٹیکشن فورس K-07 بار ہمولہ کا ذکر کرتے ہوئے صدر نان گزیٹیڈ فاسٹ ایسوسی ایشن نہ کہا ڈپٹی ڈائریکٹر خورشید مقبول شاہ صاحب تحفظ جنگلات کے لئے بہت ہی کوشاں ہیں اور جنگلات و محکمہٗ جنگلات کے ہمدرد بھی ہے ایک سوال کے جواب میں شیخ بشیر احمد نے کہا کہ یہ صحیح ہے کہ جنگل کا حق ادا نہیں ہو جاتا ہے۔ دو دو تین تین برسوں سے رکی پڑی لکڑی کی منظوری حقداروں کو نہیں دی جاتی ہے۔ وجہ عیاں ہے کہ فارسٹ سیل ڈیپارٹمنٹ میں اکثر و بیشتر لکڑی کی کمی رہتی ہے جس کا فائدہ جنگل اسمگلر اٹھاتے ہیں اس سلسلے میں Village Forest Commity کی اشد ضرورت ہے۔ ضبط شدہ لکڑی اور گاڑیاں عرصہ دراز سے پی سی ڈیپو، زنگلی ڈیپو اور جنگلات منڈی وغیرہ جگہوں پر سڑ رہی ہیں۔ اس صورتحال سے دل رنجیدہ ہوتا ہے۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ آفیسر لوگ ہمارے ملازموں کو یوں ہی ستاتے رہتے ہیں۔ کرسی پر بیٹھ کر اُن کو خدا بھی یاد نہیں رہتا آخر پر اس شعر سے سلسلہ کلام کا اختتام کیا کہ۔

کیا کیا ونے اے دوست ژٕ
کم کم ستم ویتراوئے میہٕ

کشمیر میں موسم سرما اور ذہنی دباؤ

وادی کشمیر دنیا کا وہ خطہ ارض ہے جہاں موسم سرما شدید نوعیت کا ہوتا ہے۔ یہاں سال کے 12 مہینوں میں تقریباً 6 مہینے موسم کے تیور بدلے سے ہوتے ہیں۔ان مہینوں میں ٹھٹھرتی سردی، برف باری، تیز آندھی وطوفان، متواتر بارشوں کا بھرسنا سیلابی صورتحال پیدا کر دیتی ہے۔ پانچ مہینوں میں سے تین مہینے دسمبر، جنوری اور فروری ایسے ہیں جہاں درجہ حرارت منفی ہو کے رہ جاتا ہے۔ان تین مہینوں کے دوران گرمی کے انتظام کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ اگر گرمی کا انتظام نہ ہو تو یہ سردی جان لیوا ثابت ہو سکتی ہے۔ گرمی کے انتظام کے لئے یہاں صرف تین ذریعے ہیں، بالن، گیس یا بجلی۔ یہی تین چزیں کھانا پکانے کے کام بھی آتے ہیں۔ وادئ کشمیر میں بالن کی کمی نہیں ہے کیونکہ یہاں جنگلات کا خزانہ ہے لیکن حکومت اور محکمۂ جنگلات کی غلط پالیسی کی وجہ سے یہ خزانہ لوٹا جا رہا ہے ان جنگلات کا خاتمہ کیا گیا اور نئے جنگل بسانا ہماری پالیسی ہے اور نہ ارادہ۔ حقدار جنگلات کو بالن ملنا دشوار بن گیا کیونکہ ہمارے جنگلات اس حالت میں نہیں رہے جہاں سے ہمیں بالن فراہم ہو سکے اگر کچھ بالن جنگلوں سے فراہم ہوتا ہے وہ محکمۂ جنگلات کے ملازمین، مسجدوں، گردواروں اور منظور نظر افراد کو بہ

عوض معاوضہ فراہم کیا جارہا ہے جبکہ جنگلات کے قریب رہنے والوں کا کوئی خیال نہیں رکھا جارہا ہے اس طرح بالن سمگلروں کا ایک بہت بڑا گروہ تیار ہوا جو مہنگے داموں سبز دیوار کاٹ کر بالن فراہم کررہے ہیں تاہم اس خطرے کوذی عزت لوگ مول نہیں لیتے ہیں۔

رسوئی گیس کی کمرتوڑ مہنگائی کو لے کر صارفین گیس حاصل کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ان حالات میں عوام کو بجلی پر انحصار کرنا پڑتا ہے کھانا پکانا ہو یا گرمی کا انتظام کرنا ہو، روشنی کا انتظام کرنا ہو یا اور کوئی کاروبار کرنا ہو اس کے لئے بجلی کا استعمال سب سے اہم ہے۔رسوئی گیس اور بالن کی نایابی کی وجہ سے عام لوگ بجلی سے کام لینے پر مجبور ہورہے ہیں جب کہ بیرونی کمپنیاں یہاں کے آبی ذخیروں پر سرمایہ صرف کر کے کشمیر کے حقدار آب کو بجلی جیسی اہم ضرورت سے محروم رکھا جارہا ہے۔موسم سرما میں اگر چہ شہری علاقوں میں ان ایام کے دوران بجلی کا نام ونشان ہی نہیں ہوتا ہے۔ جہاں تک بجلی فیس کا تعلق ہے یہ برابر وصول کیا جارہا ہے بجلی فیس لینے میں بالکل انصاف نہیں کیا جارہا ہے۔ایک طرف مسلسل بجلی کٹوتی کی جارہی ہے اور دوسری جانب بجلی فیس سود سمیت وصول کی جارہی ہے جس سے عام لوگوں کے ذہنوں پر دباؤ بڑھ رہا ہے۔ وادی کے عوام کس جانب جارہی ہے اس پر گہرائی سے سوچنے کی اشد ضرورت ہے اور حکمران کو بھی اس حوالے سے ایک پالسی ترتیب دینی چاہئے تا کہ وادی کی عوام کو سردی کے ایام میں مشکلات سے نجات مل سکے۔

قدرتی وسائل کی قدر

جوش میں ہوش ہونا لازمی ہے جس قوم نے جوش میں ہوش کھویا وہ قوم زوال کی طرف جاتی ہے۔ جو قوم اپنے وطن کو ترقی کی طرف لے جانا چاہتی اُس قوم میں قدرتی وسائل کی قدر ہوتی ہے۔ وہ قوم جانتی ہے کہ قدرتی وسائل کو کس طرح استعمال میں لایا جائے اور کس طرح اگلی نسل کی لئے محفوظ کیا جائے۔

ہماری وادی میں قدرتی وسائل کے قبیل سے دو چیزیں سرفہرست ہیں۔ وہ ہیں پانی اور جنگلات۔ قدرت نے ہمیں پانی کی دولت عطا کی ہے، لیکن یہ دولت تب ہی محفوظ رہے گی جب کہ ہمارے جنگلات محفوظ رہیں گے اور قوم میں بیداری پیدا ہو۔ اگر قوم خواب غفلت میں رہی تو پانی و جنگلات ہی کیا ہر قدرتی وسیلہ ہم سے روٹھ کر فنا ہو جائے گی۔ جو نعمت ہمیں جنگلوں کی صورت میں عطا کی گئی ہے، اگر ہم اس کی قدر نہ کریں تو ہمیں نفع کے بجائے نقصان سے دو چار ہونا پڑے گا۔ دنیا میں وہی قوم عروج پاتی ہے جو قدرتی وسائل سے مالا مال ہو، اور قدرتی وسائل کو تصرف میں لانا جانتی ہو۔ آج کے نامساعد حالات میں ہمارے جنگل بھی اثر انداز ہو رہے ہیں یہ وقت ایک دوسرے پر الزام تراشی کا نہیں ہے، بلکہ ایک دوسرے کو مدد کرنے کا

ہے۔ہمیں پرنٹ والیکٹرانک میڈیا کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ جو ہمیں گاہے گاہے قدرتی وسائل کو لٹنے کا حس دیتی ہے جس طرح میڈیا سے خبر سن کر متعلقہ محکمہ غور فکر کرنے پر مجبور ہوتا ہے اسی طرح قوم کو بھی وقت ضائع کئے بغیر اپنے قدرتی وسائل کو محفوظ کرنے کے لئے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی ضرورت ہے۔ جو قوم قدرتی وسائل کی قدر کرنا نہ جانے اس سے کسی خیر کی توقع رکھنا عبث ہے۔

وطن کی پہچان قدرتی وسائل سے ہوتی ہے۔جس قوم کے قدرتی وسائل لٹ جائے، اس کا وطن خود، بخود لٹ جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

آجکل جنگل سمگلنگ کا چرچا عام ہے۔ چاہئے وہ لکڑی کی سمگلنگ ہو یا جڑی بوٹیوں کی ستم ظریفی یہ ہے کی ہم لوگ ایلوپیتھک دوائیاں خوب استعمال کرتے ہیں بلکہ ان دوائیوں نے ہمارے لئے غذائی صورت اختیار کی ہے لیکن ہم ان قدرتی وسائل سے ناواقف ہیں جو ہمیں جڑی بوٹیوں کی صورت میں دوائیاں مہیا کرتی ہے۔ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ انہیں کیسے استعمال میں لایا جائے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ وہی قوم ترقی پاتی ہے جس قوم میں تعلیم اور صحت کی طرف توجہ دی جائے۔

سمگلنگ یہ نہیں کہ ایک حق دار جنگل اپنی ضرورت کے لئے سوکھے پڑے یا ٹوٹ کر گرے ہوئے درخت سے تھوڑی سی لکڑی حاصل کر کے اپنی ضرورت کو پورا کرے، بلکہ اصل سمگلنگ سر سبز درختوں کے صفایا اور جڑی بوٹیوں کو جڑ سے اُکھاڑنے کو کہتے ہیں۔۔۔۔۔۔

ایک سمگلر صرف اور صرف محکمہ جنگلات سے آنکھ مچولی کر کے یا محکمہ کے کسی نادان ملازم کو بوتل میں اُتار کر سمگلنگ میں کامیاب ہوتا ہے۔لیکن یہ نہیں جانتا جس باغ کو وہ جڑ سے اُکھاڑنے کی کوشش کرتا ہے وہ اس کا اپنا ہے۔ ہمارے جنگل ہمارے باغ کی مانند ہیں۔ جس طرح ہم کسی سیب کے باغ یا lawn کی دیکھ ریکھ کرتے ہیں۔اُسی طرح عقل مند قوم قدرتی وسائل کی دیکھ ریکھ میں مصروف ہوتے ہیں۔حق تو یہ ہے کہ وہی اس باغ کے اصل

مالک ہوتے ہیں۔ایک اسمنگلر کوسمگلنگ کے وقت محکمۂ جنگلات سے نہیں بلکہ اپنے قوم سے ڈرہونا چاہیئے تھا،مگر بدقسمتی یہ ہے کہ نہ قوم کومعلوم ہے کہ یہ باغ میرا ہے اور نہ ہی اسمگلرکو۔ یہ دونوں بلکہ محکمۂ جنگلات سمت تینوں باغ کواُجھاڑنے میں مصروف ہیں، جوکہ کسی بھی طرح عقل مندی نہیں۔!

بہرحال ہمیں چاہئے کہ ہم ہوش کے ناخن لیں،اپنی اپنی ذمہ داریوں کی طرف دھیان دینا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ یہ نہ ہو کہ چھوٹے چھوٹے مسائل میں اُلجھ کراصل مقصد فوت ہو جائے۔محکمۂ جنگلات کے فرنٹ لائن سٹاف کوسوچ اوراپروچ میں تبدیلی لانا وقت کی اہم پکار ہےلوگوں سےمل کرتبادلہ خیال کرنا،افادیت بیان کرنا ضروری بن گیا ہے۔ محکمۂ جنگلات کاایک فیلڈ ملازم قدرتی وسائل کومحفوظ رکھنے کے لئے ایک اُستادکی حیثیت رکھتا ہے،جس کواپنے فیلڈ کے اندر سمجھ اورحکمت سے کام لے کرلوگوں تک قدرتی وسیلہ کی افادیت پہچانا اس کا فرض منصبی ہے، کیونکہ ایک فیلڈ ملازم نہتا اور بےبس ہوتا ہے، فیلڈ میں اکیلا رہ کر اوراپنے رہن سہن کا بھی خیال رکھ کر حکمت سے ہی وہ یہ کام سرانجام دے سکتا ہے۔متعلقہ محکمۂ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ فیلڈ میں اُسی ملازم کو بھیجے جوتعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ فارسٹ ٹریننگ یافتہ بھی ہو،اورفیلڈ ملازم میں ماٹویشن پاورکا ہونا بےحد لازمی ہے۔

جنگلوں کےآس پاس رہنے والےتعلیم یافتہ جوانوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ باقی مصروفیات کےساتھ ساتھ اپنے جنگلوں کی طرف بھی تھوڑا دھیان دیں،فُرصت کے لمحات اپنے جنگلوں میں گزار کر قدرتی نظاروں سے لطف اندوز ہو کر قدرت کی دی ہوئی نعمتوں کاشکریہ ادا کر کےاس نعمت کومحفوظ رکھنے کے لئےتھوڑی بہت غوروفکرکریں۔

سوچ بدلنے کی ضرورت ہے

پالتھین لفافے دن بدن وبائی صورت اختیار کررہے ہیں۔اس کی آلودگی میں دن بدن اضافہ ہوتا جارہاہے۔یہ اپنے سائے میں بہت سارے مضر اثرات والے جراثیم کو پناہ دے رہاہے۔پالتھین لفافے نے جو زمین پر پڑے رہتے ہیں زمین کی زرخیزیت کونقصان پہنچارہے ہیں۔زمین کی اوپری سطح جو زرخیز ہوتی ہے اور ہمارے لئے غذائی اجناس پیدا کرتے ہیں۔پالتھین لفافے ان غذائی اجناس کو پیدا کرنے میں بہت بڑی رکاوٹ کے طور پر سامنے آرہے ہیں۔پالتھین قدرتی طور پر نیست ونابودنہیں ہوتے ہیں۔پالتھین لفافوں کو جلانا بھی ہماری صحت کے لئے ٹھیک نہیں ان کا دھواں ہماری صحت کے لئے مفید نہیں ہمارے مویشیوں کے لئے بھی پالتھین کے تھیلے خاموش قاتل کی طرح ہے جب ہمارے گائے ،بیل، بکری وغیرہ غذائی اجناس سمت ان لفافوں کوکھاتے ہیں۔

پالتھین لفافے ندی نالوں میں ڈالنے سے ہمارے آبی جانوروں کے لئے بھی بہت نقصان دہ ثابت ہورہے ہیں اور پالتھین کے لفافے پانی کے نکاس کے لئے ایک بڑی رکاوٹ بن کرابھر رہے ہیں۔پالتھین کے لفافوں کے استعمال سے بھی ہم لوگ پیچھے نہیں ہٹتے

ہیں ۔وجہ عیاں ہے ہماری لاعلمی ،کاہلی اور عیش پرستی ۔ پالتھین کے لفافوں میں ہم بڑے ناز نخروں کے ساتھ اور دکھا دکھا کر سبزیاں پھل وغیرہ لاتے ہیں ۔جب گھر میں صحن میں پالتھین کے ڈھیر جمع ہوتے ہیں تو ہم چھپ چھپاتے ایک دوسرے کی خالی زمین پر اس کو ڈالتے ہیں اور پالتھین کے لفافوں میں مزید کوڑا کرکٹ پھلوں وسبزیوں کے چھلکے وغیرہ ڈال کر باہر سڑکوں کے کناروں پر ،گلیوں کوچوں میں ندی نالوں کے کناروں پر حتیٰ کہ دھان کی کھیتوں میں ڈالتے ہیں ۔ یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ جب ہم کوڑا کرکٹ سے بھرے پالتھین لفافوں کو ایک دوسرے کی خالی زمینوں ،کھیتوں وغیرہ میں ڈالتے ہیں تو یہی چیز فتنوں کا باعث بنتا ہے ۔اندیشہ یہ ہورہا ہے کہ ایک دن یہی چیز خانہ جنگی میں مبتلاء کریگی ۔حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ صفائی آدھا ایمان ہے ۔کسی نے کیا خوب فرمایا ہے کہ ''صفائی سے انسان انسان ہے غلیظ اور گندہ تو حیوان ہے ۔'' بے شک صفائی سے ہی انسان انسان مانا جاتا ہے ۔صفائی دو قسم کی ہے ایک ظاہری اور دوسری باطنی ۔ظاہری صفائی سے مراد وہ چیزیں صاف رکھنا جو انسان کو دکھائی دیں ۔ جہاں انسان کو اپنے کپڑے ،اپنا بدن ،اپنا گھر وغیرہ صاف رکھنا ہے ۔وہاں اپنے گلی کوچوں کی صفائی کا بھی خیال رکھنا ہے ۔باطنی صفائی سے مراد دل کی صفائی ۔حسد ،ضد ، کینہ ،بغض ،لالچ وغیرہ سے اپنے آپ کو دور رکھنا ۔ظاہری صفائی کا اثر باطن پر پڑتا ہے ۔اگر ہم ظاہر کو صاف رکھیں گے باطن ہمارا ضرور صاف ہوگا ۔اگر چہ ہماری حکومت میں ایک ڈیپارٹمنٹ ظاہری صفائی پر مامور ہے لیکن دیکھنے میں آیا ہے کہ یہ لوگ بھی کاہلی کا مظاہرہ کررہے ہیں ۔گندگی کے ڈھیروں کے ڈھیر ندی نالوں کے کناروں پر دیکھنے کو ملتے ہیں ۔ان ہی ندی نالوں کا پانی ہمیں پینا پڑتا ہے ۔ یہ ڈیپارٹمنٹ صرف شہروں وقصبوں کی صفائی پر مامور ہے گاؤں کی گلی کوچوں کا حال تو خدا ہی جانتا ہے ۔ان گلی کوچوں کی صفائی کا بھی دھیان رکھنا ہم پر لازم ہے تا کہ ہم بحیثیت مہذب قوم پہچانے جائیں ۔ ہماری گلی کوچوں میں کوڑا کرکٹ سے بھرے ہوئے پالتھین کے بڑے بڑے ڈھیروں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہم شاید مہذب قوم

نہیں ۔ ہمارے دفتروں ، ہسپتالوں ، اسکولوں حتیٰ کہ ہماری کھیتوں میں بھی کوڑا کرکٹ سے برے ہوئے پالتھین لفافوں کے ڈھیر نظر آتے ہیں۔ باہر سے اگر کوئی ہماری ریاست میں قدم رکھے گا تو وہ یہی سمجھے گا کہ یہ مہذب قوم نہیں۔

بازاروں میں ، چوراہوں پر ، گلی کوچوں میں ، کھیتوں اور باغوں میں گندگی کے ڈھیر نظر آتے ہیں۔ پالتھین سے بھرے ہوئے یہ گندگی کے ڈھیر ہمارے لئے ایک بدنما داغ سے کم نہیں۔ ہمیں چاہیے کہ سبزی ، پھل وغیرہ لانے کے لئے کپڑوں کے تھیلے وغیرہ استعمال کریں ، یہ وطن ہم سب کا ہے چاہے دکاندار ہو یا گاہک اپنے وطن کو پالتھین کی آلودگی سے پاک رکھنا ہم سب کا فرض ہے۔ پالتھین ظاہراً خوشنما اور کارآمد ہے لیکن حقیقتاً تاریک مستقبل کی علامت اور بدنما داغ ہے۔

کشمیر کو بے رونقی سے بچائیں

پالتھین کی آلودگی کے خلاف اگر ہم کسی بھی طرح ناکام ہوئے تو آئندہ نسلوں کے ہم ملزم ضرور ہوں گے۔ یقیناً ہم بے قصور ہیں ہم نے خود پالتھین کی آلودگی کو وارِدِ کشمیر نہیں کیا۔ نہ یہ کسی سازش کے تحت یہاں وارد ہوا۔ لیکن اتفاقاً کہیے یا لاعلمی پالتھین کی آلودگی وارد کشمیر ہوئی۔ اب اس آلودگی کو پاک کرنے کے لئے جنگ میں ہمیں متفق ہو کر کھڑا ہونا ہے۔ حکومت پوری طرح سے پالتھین کی آلودگی یا پالتھین کی درآمد کو روکنے میں ناکام ہوئی۔ رضا کار تنظیموں کو چاہیے کہ وہ آگے آئیں پالتھین کی آلودگی کو روکنے کے لئے اگر ہماری ماؤں اور بہنوں تک مہم کو پہنچایا جائے مجھے امید ہے کہ ان کی سمجھ میں بات آنے کے بعد ہم پالتھین کی آلودگی کو روکنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

پالتھین لفافوں میں بھرے کوڑا کرکٹ کے انباروں کو ٹھکانے لگانے کے لئے شاید متعلقہ محکمہ کے پاس کوئی تدبیر ہی نہیں اسی لئے جہاں جہاں پر نظر دوڑائی جاتی ہے پالتھین لفافوں کے ڈھیروں ڈھیر نظر آتے ہیں۔

راقم نے اسی کالم میں لکھا تھا کہ پالتھین لفافے دن بدن وبائی صورت اختیار کر رہے

ہیں ۔اس کی آلودگی میں دن بدن اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ یہ اپنے سائے میں بہت سارے مضر اثرات والے جراثیم کو پناہ دے رہا ہے۔ پالتھین لفافے جوزمین پر پڑے رہتے ہیں زمین کی زرخیزیت کونقصان پہنچارہے ہیں ۔زمین کی اوپر والی سطح جوزرخیز ہوتی ہےاور ہمارے لئے غذائی اجناس پیدا کرتے ہیں۔ پالتھین لفافے ان غذائی اجناس کو پیدا کرنے میں بہت بڑی رکاوٹ کےطور پر سامنے آرہے ہیں ۔پالتھین قدرتی طور نیست ونابودنہیں ہوتے ہیں ۔ پالتھین لفافے ندی نالوں میں ڈالنے سے ہمارے آبی جانوروں کے لئے بھی بہت نقصان دہ ثابت ہورہے ہیں اور پالتھین کے لفافے پانی کے نکاس کے لئے ایک بڑی رکاوٹ بن کر ابھر رہے ہیں ۔ ہماری گلی کوچوں میں کوڑا کرکٹ سے بھرے ہوئے پالتھین کے بڑے بڑے ڈھیروں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہم شاید مہذب قوم نہیں ۔ پالتھین ظاہراً خوشنما اور کارآمد ہے لیکن حقیقتاً تاریک مستقبل کی علامت اور بدنما داغ ہے۔

راقم نے اس سلسلے میں میونسپل کمیٹی کپواڑہ کے ڈسٹرکٹ آفیسر کے ساتھ تبادلہ خیال کیا۔گفتگو کے دوران انہوں نے فرمایا کہ بے شک ہمیں پالتھین کی آلودگی کیخلاف جنگ لڑنی چاہیے اگرچہ ابھی تک ہم کامیاب نہیں ہوئے اور ہم میں بھی کوتاہیاں ہیں وسائل وملازمین کی کمی بھی ہے۔اس سب کے باوجود ہم نے ہمت نہیں ہاری اور ہم پورے عزم کیساتھ پالتھین کی آلودگی کیخلاف جنگ لڑیں گے۔لیکن ہم تب ہی کامیاب ہونگے جب ہمیں لوگوں کا پورا ساتھ ہوگا ۔اس پر انہوں نے کہا کہ لداخ No polythene zone ہے لیکن لداخ No polythene zone بنانے میں وہاں کے لوگوں کا عمل دخل ہے۔وہاں کے لوگ کمربستہ ہیں پالتھین کی آلودگی کیخلاف ۔اس پر انہوں نے ایک واقعہ بیان کیا کہ وہ ایک دن لداخ کے ایک ہوٹل میں تھے انہوں نے دیکھا کہ ہوٹل کے مالک نے خود گندگی اٹھائی اور میونسپل کے قائم کردہ کنٹینر میں ڈال دی ۔ایک سوال کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ وہ ڈسٹرکٹ کپواڑہ کو No polythene zone قرار دینے کے حق میں ہیں۔اس کے لئے وہ ایک

مہینے کے اندر اندر الیکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا کے ذریعے بیداری مہم چلائیں گے۔
ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ وہ ایک ٹیم تشکیل دیں گے جس کی سربراہی پالتھین آفیسر کرئے گا یہ ٹیم ہر جگہ پر مختلف اوقات میں چھاپہ ڈال کر پالتھین کیخلاف مہم کو کامیاب بنائیں گے۔

ہمارے شہر سرینگر کو بھی پالتھین سے پاک شہر بنانے کے لئے میونسپل حکام نے ایک ٹیم تشکیل دی ہے جو تقریباً 20 آدمیوں پر مشتمل ہے جس کی سربراہی پالتھین آفیسر اور چیف سنٹیشن آفیسر کر رہے ہیں۔ یہ ٹیم جگہ جگہ پر چھاپہ ڈال کر پالتھین کو جمع کر کے ٹھکانے لگانے کی کوشش کر رہی ہے۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ ہماری وادی ابھی تک No polythene zone نہیں ہے اگر چہ اس کے حق میں ہمارے یہاں قانون بھی ہے۔ قانون ہوتے ہوئے بھی پالتھین کی درآمد پر کوئی روک نہیں۔

کشمیر کو اللہ تعالیٰ نے قدرتی خوبصورتی سے نوازا ہے۔ ہماری وادی کو پوری دنیا میں جنت نظیر کے لقب سے پکارا جاتا ہے ہماری وادی سیاحوں کے لئے پر کشش جگہ ہے۔ اس پر کشش جگہ کو پالتھین کی آلودگی سے پاک رکھنا نہایت ضروری ہے۔ وادی کشمیر (جنت نظیر) ایک بارونق اور پُر فضاء مقام ہے۔ پالتھین کا استعمال اس بارونق کشمیر کو بے رونق بنا دیگا۔ لہٰذا ابھی وقت ہے ہمیں بیدار مغز ہونے کا ثبوت دے کر بارونق کشمیر کی رونق کو بڑھانے کے لئے خود ہی اُٹھ کھڑا ہونا پڑیگا۔

باشعور اور مہذب قوم کے امتیازات

وہ زمانے میں معزز تھے مسلمان ہوکر
اورتم خوار ہوئے ہوئے تارکِ قرآن ہوکر

ہماری زمین پر معزز انسانوں کی کمی تھی اور نہ کمی ہے تو کیا وجہ ہے کہ ہم لوگ تہذیب سے دن بدن دور ہوتے جارہے ہیں، نہ جانے کس کی نظر بد ہماری قوم کو لگ گئی یا ہم اپنے گناہوں کے سبب دن بدن ذلت کے دلدل میں پھنسے جارہے ہیں۔ مغرب میں اگر بے شرمی، بے حیائی عروج پر ہے لیکن کچھ معاملات میں وہ ہم سے آگے ہیں جن عادات کا ہمیں اسلام نے حکم دیا تھا جیسے اخلاق وادب، صحت وصفائی، عزت واحترام وہ ہمیں مغرب میں ملتا ہے ہم لوگ اس سے دور چلے جارہے ہیں۔ مغرب نے ہم سے تہذیب وتمدن لیا لیکن ہم نے مغرب سے بے شرمی، بے حیائی، ننگا ناچ وغیرہ حاصل کیا۔

کشمیر کو ہمارے اسلاف کے سبب جنت بے نظیر کا لقب ملا تھا۔ ہمارے اسلاف نے کشمیر میں قدرت کے دئے ہوئے نعمتوں کی قدر کی تھی اور آنے والے قوم کے لئے اس کی حفاظت بھی کی تھی ہماری جنگل سرسبز تھے، ہماری ندی نالوں میں میٹھا پانی رواں تھا، ہماری سرزمین پالتھین کی آلودگی سے پاک تھی، جب ہمارے اسلاف بازار سے کوئی شئے وغیرہ لانے جارہے تھے تو گھر سے ہی تھیلا وغیرہ ساتھ لیتے تھے ایک دوسرے کے کام آنا اگر کوئی سیکھے تو ہمارے اسلاف سے سیکھیں۔ ان میں سادگی تھی، شجاعت تھی، بہادری تھی، اگر چہ وسائل علم کم تھے لیکن ان کو اللہ تعالیٰ نے وہ چیزیں عطا کی تھی جو علم میں مضمر ہے۔

موجودہ دور کے لوگوں کو وسائل علم بہت ہے لیکن عمل سے خالی۔ نہ ہم میں سادگی ہے اور نہ شجاعت، نہ بہادری، نہ ہم ایک دوسرے کے کام آرہے ہیں، تکبر، جہالت، کاہلی، فضول بحث ومباحثہ نے ہمیں گھیر رکھا ہے۔ ہم نے جنگلوں کو سرسبز نہ رکھا بلکہ جنگلوں کو ہم نے بنجر بنا دیا۔ ندی نالوں کا پانی میٹھا نہ رکھا بلکہ ہم نے ندی نالوں کو گندے پانی کی نکاس کے کام لایا اسی لئے آج لوگ صاف پانی کی بوند بوند کے لئے ترس رہے ہیں۔ اگر یہی حال رہا تو آنے والے وقت میں ایک انسان دوسرے انسان کو پانی کے ایک گلاس کے لئے قتل کر دے گا ہم نے اپنی سرزمین کو پالتھین کی آلودگی سے تباہ کیا۔ اگرچہ ہمارے وطن میں بے شک باشعور لوگ موجود ہیں جو اپنی سرزمین کو پھلتا اور پھولتا دیکھنا چاہتے ہیں لیکن ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔

ابھی بھی وقت ہے کہ ہم ان سے سبق حاصل کریں اور علم حقیقی سے اپنے آپ کو منور کریں۔ لوگ بے حسی کی حالت میں پالتھین اور گندگی کی آلودگی کو بڑھا رہے ہیں فرمایا نبی پاک ﷺ نے کہ صفائی آدھا ایمان ہے۔ (بے شک صفائی سے ہی انسان پہچانا جاتا ہے)۔

پالتھین کی آلودگی دن بدن وبائی صورت اختیار کر رہی ہے۔ ہمارے نوجوانوں کو اس آلودگی کے خلاف مناسب حکمت عملی اپنانی چاہیے اور اُن کو گفتار و کردار کا غازی بننے کی ضرورت ہے۔ ذرا غیروں سے سیکھیں کس طرح وہ محنت ومشقت کر رہے ہیں اور اپنے آپ پر نظر ڈالیں کہ بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کر کے معمولی گھاس کے تنکے کو بھی اپنے ہاتھ سے نہیں اٹھا سکتے بلکہ اپنے اردگرد گندگی وغیرہ کے ڈھیر جمع کر کے ماحول کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں جبکہ انسان کو اپنی صحت وصفائی اور تعمیر و ترقی کے لئے خود اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہیے نہ کہ دوسروں پر انحصار کرنا کیونکہ دوسروں پر انحصار کرنے سے انسان کمزور اور محتاج بن جاتا ہے۔ چور اور ڈاکو بن سکتا ہے اپنے ہاتھ سے کام کرنے میں جو مزہ ہے وہ غیروں پر منحصر رہنے سے نہیں۔ علم ہمیں کاہلی دور کر کے چاک و چوبند اور چست بننا سکھاتا ہے۔

بے روزگاروں پر حالات کی ستم ظریفی

اگرچہ وادی کشمیر حسن کے لحاظ سے خوبصورت ہے لیکن اس سرزمین پر بسنے والے نوجوان حصول روزگار کے حوالے سے بدقسمت ہے یا بدنصیب۔ زمانے نے کتنی کروٹ لی ایک وقت تھا جس کو ہم پتھر کے زمانے سے تعبیر کرتے ہیں۔ پتھر کے زمانے سے لے کر زمانہ حال تک بہت کچھ دیکھا گیا اور سہا گیا لیکن زمانہ آگے بڑھتا گیا۔ ترقی کی منزلیں طے کرتا گیا ترقی چاہے حصول روزگار کی رو سے ہو یا حصول تعلیم کی رو سے غرض دنیا بدلتی گئی جہالت دھیرے دھیرے دور ہوتی چلی گئی۔ علم کے نور سے جہاں منور ہوتا گیا۔ وادی کشمیر ابھی بھی حقیقی علم سے بے خبر ہے اور روزگار کے حوالے سے ان کی بدنصیبی ابھی بھی نہ ٹلی، یہاں پر بے روزگاری دن بدن بڑھتی ہی جا رہی ہے، بے روزگاروں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وادی کشمیر میں جرائم دن بدن اپنی جڑیں مضبوط کر رہی ہیں۔ چوری، ڈکیتی، سمگلنگ وغیرہ وغیرہ! اب یہاں کا معمول بن چکا ہے۔ پچھلے 20 پچیس برسوں سے یہاں کے بے روزگاروں کا کچھ زیادہ ہی استحصال ہوا۔ ایک طرف بے روزگار اپنے روزگار کی فکر میں لگے تھے نفس کی خاطر کیا کچھ نہ سہا گیا اپنے اہل وعیال کی ذمہ داری نبھانے کے لئے بے روزگاروں نے در در کی ٹھوکریں کھائیں۔ پڑھے لکھے بے روزگار نوجوانوں نے وہ کام کئے جو اُن کے شایان شان نہیں تھے

۔ان پڑھ وجاہل لوگوں کی منتیں کی اپنے اہل وعیال اوراپنے نفس کے خاطر معمولی وغیر ذمہ دار لوگوں کی ماننی پڑی۔غیر ذمہ دارانہ اور جاہلانہ اصولوں پر چلنا پڑا۔دوسری طرف یہ لوگ (بے روزگار) ہڑتالوں اور کرفیو کے شکار ہوتے چلے گئے۔لگاتار ہڑتال وکرفیواور کمرتوڑ مہنگائی نے ان بے روزگاروں کی کمر ہی توڑ کے رکھی ان کے دل نے خون کے آنسو بہائے۔نامناسب حالات وغیرہ اورعیش پرست حاکموں نے ان لوگوں کا حال برا کر دیا۔

یہ لوگ قابل، بااعتماد، ذہین، خوش مزاج، خوش اخلاق تھے لیکن ان کو سمجھا نہ گیا۔بے روزگاری نے ان کو نا قابل، بے اعتماد، نالائق، بدمزاج، بداخلاق وغیرہ وغیرہ بنا دیا حتیٰ کہ دہشت گردی کی لیبل بھی چسپاں کی گئی۔

وادی کشمیر میں روزگار کے حصول کے لئے ایک ہی راستہ نظر آ رہا ہے وہ ہے گورنمنٹ کی نوکری کیونکہ وادی میں کوئی صنعت وغیرہ نہیں وادی کشمیر سونے کے قفس کی مثال ہے جہاں چاروں اورخوبصورتی دکھائی دیتی ہے سرسبز پہاڑ، آبشار، پھولوں کے باغ وغیرہ وغیرہ دکھائی دیتے ہیں۔حسن سے مالا مال وادی کشمیر ہرایک کا دل مول لیتی ہے لیکن روزگار کے حوالے سے وادی کشمیر صفر ہے۔گورنمنٹ کی نوکری حاصل کرنے کے لئے لمبی لمبی قطاروں میں یہاں کے پڑھے لکھے نوجوانوں کو رہنا پڑتا ہے۔پھر نہ جانے کتنے امتحانی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔یہاں کی حکومتی مشینری اب اتنی بےاعتماد و بےاعتبار ہوگئی ہے کہ دوروپے کے فارم کوسودوسوروپے کے عوض بے روزگاروں کے ہاتھ میں تھمایا جاتا ہے۔بے روزگاروں کی فکر کئے بغیر حکومت اپنا روزگار چلاتی ہے۔سوا سامیوں کی خاطر میں لاکھوں فارم اجراء کئے جاتے ہیں۔یہ تو ایک انار اور سو بیمار کے مثل کے برابر ہے۔ان بے روزگاروں کو فارم کے سو دوسوروپے پھر ضروری کاغذات کے فوٹو اسٹیٹ اور کرایا کی خاطر قرضہ کرنا پڑتا ہے۔اپنے بال بچوں کو بھوکا رکھنا پڑتا ہے۔فارم بھرنے کے بعد کبھی فزیکل ٹیسٹ، رٹن ٹیسٹ، زبانی ٹیسٹ سے گزرنا پڑتا ہے پھر کئی سال نتائج کے اعلان کا انتظار کرنا پڑتا ہے تب تک یہ بے

روزگار اُوراتیج (overage) ہوگیا ہوتا ہے۔

اگر کبھی خوش قسمتی سے اور دعاؤں کے اثر سے دردر کی ٹھوکریں کھانے کے بعد یہ بے روزگار M.A,MSC وغیرہ کر کے کلاس فورتھ میں گورنمنٹ کی نوکری حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تو اب اس کی امیدیں بھر آتی ہیں یہ بے روزگار اب خواب دیکھنے شروع کرتا ہے اور قوم کو کچھ دینے کی سوچتا ہے۔لیکن اس کی تعلیم و قابلیت کا لحاظ کئے بغیر اس سے وہ کام لیا جاتا ہے جو اس کے شایان شان نہیں ہوتا۔حالات کی ستم ظریفی یہ بھی ہے کہ کئی کئی سال (بیس پچیس سال) گزرنے کے بعد بھی اس پڑھے لکھے نوجوان کو سروس بینفٹس (Service benefits) یا پرموشن وغیرہ نہیں دی جاتی۔ یہاں کی گورنمنٹ محکموں کی مشینری اس حوالے سے بیکار پڑی ہے۔یہاں پر ملازموں کو پرکھا نہیں جاتا۔وقت پر ترقی نہیں دی جاتی نتیجہ یہ کہ جو ایک وقت کا بے روزگار تھا اور پھر اعلیٰ ڈگری حاصل کر کے کلاس فورتھ ملازم لگا پھر اسی پوسٹ پر سبکدوش ہوا اور جس کے کندھوں پر بہت سی ذمہ داریاں چڑھی ہوئی ہوتی ہیں۔اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم نہیں دے سکتا ہے یا وہ سہولیات میسر نہیں کر سکتا ہے جو سہولیات ان کا حق ہوتا ہے یہ پھر اسی ڈگر پر پہنچ جاتا ہے جس ڈگر پر یہ پہلے تھا۔اب اپنے خاندان،اہل وعیال میں نا قابل تصور کیا جاتا ہے۔

ہاں کچھ ملازم جن کو ملازمت میں اپنا حق نہیں ملتا اور ان پر استحصال ہوتا ہے وہ اپنے شعور کو یک طرف کر کے رشوت کا سہارا لیتے ہیں اور قوم کے سرمایا کو ملیا میٹ کر کے اپنے آپ کو بیروکریٹوں کے قطار میں کھڑا کرتا ہے۔کچھ علاقے ایسے ہیں جہاں بے روزگاری اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ ان لوگوں نے قوم کے سرمایہ کو لاعلمی کی بناء پر ملیا میٹ کر دیا لیکن وہ علاقے اب بھی حکومت اور باشعور لوگوں کے نظروں سے اوجھل ہے۔اکثر علاقے جو دیکھنے میں آئے ہیں کے باشندوں کو حصول روزگار کے لئے جب کوئی راستہ نظر نہ آیا تو انہوں نے جنگل کاٹنے شروع کئے جیسے وہ اپنا روزگار سمجھتے ہیں وہاں پر جنگلوں کا صفایا ہوا ہے جو رکنے کا نام ہی نہ لیتا۔ جیسے رام پور،راجپور تحصیل سوپور ہے۔

باشعور طبقے کا کہنا ہے کہ ہمارے بے روزگار نوجوان حصول روزگار کے لئے دوسرے ممالک میں قسمت آزمائی کرنے کی کوشش کرتے لیکن سفری دستاویز کو حاصل کرنے میں سالوں گزر جاتے ہیں اور کثیر رقم کی ضرورت پڑتی ہے جو ہمارے بے روزگاروں کے بس کی بات نہیں۔ دوسرے ممالک میں جانے کے لئے ایک تعارف کی ضرورت ہوتی ہے اور ایک ہنر درکار ہوتا ہے جسے ہمارے بے روزگار عاجز ہیں۔ اس کے لئے ہماری حکومت یا حکومتی مشینری کو چاہیے تھا کہ تعارف اور ہنر کے لئے کوئی معقول راستہ نکال دیتے کیونکہ ہمارے جوان تقریباً نصف صدی سے کنویں کی مینڈک بن کر رہ گئے ہیں۔ یہ لوگ بیرونی دنیا سے بالکل ناواقف ہیں۔ اگرچہ ہماری وادی کے کچھ نوجوان بیرونی دنیا کے ستارے ہیں لیکن ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔

ہمارا تعلیمی نظام اس حد تک ناقص ہے کہ ہمارا تعلیم یافتہ جوان گریجویٹ ہو کر بھی کسی کام کے قابل نہیں ہوتا ہے۔ اس کو کوئی ہنر نہیں آتا ہے وہ گھاس کے تنکے کو بھی استعمال میں نہیں لاسکتا۔ ڈگری کر کے صرف اور صرف گورنمنٹ کی نوکری کی تلاش میں گھومتا رہتا ہے اگر نوکری حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوا تو ذہنی دباؤ کا شکار ہوتا ہے۔ تعلیم حاصل کرنے میں عمر کا ایک حصہ گزار چکا ہوتا ہے اور کوئی ہنر حاصل کئے بغیر اب در در کی ٹھوکریں کھاتا ہے یا اس مہنگائی کے دور میں **1500** یا دو ہزار کی نوکری کرتا ہے جو اس کو اپنا اور اپنے اہل وعیال کا پیٹ پالنے میں مدد نہیں کرتا۔

اس لئے ہمیں اپنے تعلیمی نظام کو بہتر بنانا ہوگا کہ تعلیم حاصل کرنے کیساتھ ساتھ ہمارا طالب علم کوئی ہنر بھی سیکھے جسے اس کو تعلیم حاصل کرنے میں بھی مدد ملے بلکہ اعلیٰ اور بہتر تعلیم حاصل کر سکے اور تعلیم حاصل کرنے کے بعد کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے بلکہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے۔ وہ قوم کبھی بھی ترقی نہیں کرتا ہے جو مادری زبان چھوڑ کر دوسری زبان میں تعلیم یا علم حاصل کریں۔ دوسری زبان میں علم حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن پہلے

مادری زبان میں علم کا نور پیدا کریں۔ پھر یہ بات یادرکھنے کی قابل ہے کہ تعلیم ہر فرد کی ذاتی اورقومی ضرورت ہے۔

تعلیم کوصرف اسی غرض سے حاصل کرنا چاہیے کہ میرے اندر معرفت کا نور آ جائے اور میں اللہ کی قدرت کے اسرار کو پہچان کر اس کی تخلیق کی ہوئی دنیا میں غوطہ زن ہو کر عظمت ورفعت کے اعلیٰ منازل طے کروں۔ تعلیم کو ذریعہ روزگار جان کر حاصل کرنا اندھوں اور پاگلوں کی دنیا میں رہنے کے مترادف ہے۔ البتہ تعلیم سے انسان روزگار کمانے کے ہنر ضرور سیکھتا ہے اور تعلیم ہی ہر ترقی کا زینہ ہے۔

❁❁

چھاپڑی فروش اور عوامی مسائل

سڑکیں گاڑیوں کی نقل وحرکت کے لئے ہوتی ہیں تاکہ سفر آسان اور نقل وحرکت آسان ہوسکے اور فٹ پاتھ پیدل مسافروں کی آمدورفت کی سہولیات کے لئے بنائے جاتے ہیں ان لازمی ضروریات کے تکمیل کے بعد اگر کوئی مناسب جگہ خالی بچے تو مجبوری کے درجہ میں اس پر چھاپڑیاں سجانا قرین قیاس اور معقول معلوم ہوتا ہے۔لیکن آج کی صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے فٹ پاتھ پر چھاپڑی فروش قبضہ جمائے بیٹھے ہیں اور سڑکیں پیدل سفر کرنے والے لوگوں کی بھیڑ بھاڑ سے گاڑیوں کی آمدورفت کے لئے مسدود ہوگئی ہیں نتیجہ ٹریفک جام اور بے تحاشہ حادثات کی شکل میں سامنے آنا لازمی امر ہے۔اگرچہ چھاپڑی فروش بے روزگاری کا رونا رو رہے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب بالکل نہیں کہ ایک دشواری سے چھٹکارا پانے کے لئے درجنوں دشواریوں کو پیدا کیا جائے۔دانشوروں کا کہنا ہے کہ چھاپڑیوں سے ہزاروں مسائل جنم لیتے ہیں، بازار بے ڈھنگ لگتے ہیں، دھکم دھکا کے عالم میں قوم غیر مہذب دکھائی دیتی ہے، چھاپڑیوں سے بازار سجتے نہیں بلکہ بے رونق اور جھنجٹ سے پرُ نظر آنے لگتے ہیں، اگر متعلقہ محکمۂ اور پولیس سنجیدگی کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کا عزم کرلے تو اس بڑھتے ناسور سے کسی قدر نجات مل سکتی ہے۔

نظام حیات میں اس بے ترتیبی سے جرائم پیشہ لوگ بھی اپنا کام راز داری سے انجام دینے میں کامیاب ہوجاتے ہیں، بے راہ روی کوفروغ ملتا ہے، جیب کتروں کو جیبیں کاٹنا آسان ہوجاتا ہے،شرابی وکبابی بھی بھیڑ بھاڑ کا ناجائز فائدہ اٹھا لیتے ہیں،مریضوں کو ہسپتالوں تک رسائی مشکل بن جاتی ہے،لازمی سروسز بھی متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتے ، کہیں آگ لگی ہوتو فائر سروس کو ہنگامی بنیادوں پر پہنچنا دشوار ہوجاتا ہےاور پھر تاخیر کی وجہ سے انہیں عوامی غیض وغضب کا شکار بھی ہونا پڑتا ہے نتیجہ کبھی توڑ پھوڑ اور ہنگامہ کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

ان چھاپڑیوں کا ایک بہت بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ غیر معیاری اشیاء کوفروغ ملتا ہے، سرخ ناموں کی کوئی اہمیت نہیں رہتی، گاہکوں سے منہ مانگی دام وصول کی جاتی ہے، کھلی ہوئی اشیاء خوردنی گرد وغبار اور آلودہ فضا سے زہر بن جاتے ہیں، کاروباری اور تجارتی اصول و ضوابط کی دھجیاں اُڑ جاتی ہیں۔ چھاپڑی فروشوں کی بے ڈھنگ آوازوں اور شور شرابے سے کان کے پردے متاثر ہوجاتے ہیں، گویا کہ ہر طرف ہنگامہ خیز صورت حال نظر آتی ہے۔

اخباری اطلاعات کے مطابق سرینگر کے سول لائنز علاقوں کو چھاپڑی فروشوں کے قبضہ سے آزاد کرلیا گیا ہے یہ بات جہاں خوش آئیند ہ ہے وہیں اس بات کی متقاضی ہے کہ حکومتی ادارے اس کی مکمل دیکھ ریکھ بھی کریں تاکہ یہ صرف چند دنوں کا فضول مشق ثابت نہ ہو بلکہ استقلال کے ساتھ مستقبل کے لئے مشعل راہ بنے۔

منظّم ومربوط نظام زندگی، سود ورشوت سے پاک معاشرہ کی تشکیل، ایمان دارانہ نظام حکومت باشعور قوم کا امتیاز ہوتا ہے۔تو آیئے باہم مل کر ایک اچھے معاشرہ کی تشکیل میں اپنا بھرپور کردار نبھائیں۔

اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ

وادیٔ کشمیر نے روز اول سے رنگ رنگ کے ستم سہے ہیں۔غربت اور وسائل علم کی کمی یہاں پر ہروقت رہی ہے جس کی وجہ سے وادی ہر وقت مفلسی اور جہالت کی شکار بنی رہی۔نہ جانے داور حشر کا امتحان اور کب تک ہوگا۔اہل وادی کو کبھی خطرناک زلزلوں کا سامنا کرنا پڑا تو کبھی قحط سالی کا،کبھی چیچک کی بیماری نے ڈھیرا ڈالا،تو کبھی تنگ دستی نے آ گھیر لیا۔کبھی اہل وادی کو خودغرض نادان سیاستدانوں کا چہرہ دیکھنا پڑا تو کبھی دہائیوں تک جنگ وجدل سے نبردآزما ہونا پڑا۔ابھی اہل وادی سنبھلے بھی نہ تھے کہ وادی کو بدترین سیلاب نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

ستمبر 2014 کے بدترین سیلاب نے لاکھوں عربوں کا تجارتی ومالی نقصان کر دیا جانیں ضائع کیں اور فصلوں کو تباہ وبرباد کردیا۔وادیٔ کشمیر جو کبھی ستی سر ہوا کرتا تھا دوبارہ وہی منظر دکھائی دینے لگا۔اپریل 2015 کے سیلابی صورت حال نے اہل وادی کو عجیب وغریب کشمکش سے دوچار کر دیا۔ہر سوزمین کھسکنے لگی موسلا دھار بارشوں سے میدانی علاقوں میں پیدا شدہ سیلابی کیفیت نے اگر چہ جان ومال کو زیادہ نقصان نہیں پہنچایا۔تاہم بالائی علاقوں میں بارشوں کی وجہ سے زمین کھسکنے لگی جس کی وجہ سے رہائشی مکانوں کو بہت نقصان پہنچا اور درجنوں

افراد مٹی کھسکنے سے جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ زمین کھسکنا اگر چہ ایک قدرتی عمل ہے لیکن قدرت کی کاریگری کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنا زمین کھسکنے جیسے عمل میں سرعت پیدا کر دیتی ہے۔ جنگلات کا صفایا کرنا ہو یا پہاڑوں کے دامن سے زمین کھود کر پتھر نکالنا ہو۔ دریاؤں، ندی نالوں کے کناروں پر ناجائز تجاوزات کھڑا کرنا ہو یا پالیتھین کا بے تحاشہ استعمال جو کہ پانی کی نکاسی میں سب سے زیادہ رکاوٹ بنتا ہے۔ ان جیسے حادثات و واقعات کا محرک بنتے ہیں۔ غرض جس طرح انسان ماحول میں دخل اندازی کرتا ہے۔ نتیجہ بھی ویسا ہی نکلتا ہے۔

اگر چہ ہر ایک چیز دست قدرت میں ہے تاہم احتیاطی تدابیر لازم ہیں۔ قدرت نے ہمیں عقل سلیم سے نوازا ہے۔ لہٰذا قرآن نے بھی جگہ جگہ ہمیں اَفلا تعقلون۔ افلا تدّ برون کہہ کر بیدار کیا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ عقل کا استعمال کریں اور قدرت کی کارسازی کے ساتھ نہ چھیڑیں۔ دیکھا دیکھی اور خود غرضی کے عالم میں ہم تو ڈوب ہی جاتے ہیں لیکن دوسروں کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبتے ہیں۔ اگر ہم تاریخ کے اوراق پر نظر ڈالیں تو کشمیر میں برفباری یا بارشوں کا آنا کوئی نئی بات نہیں۔ ہفتوں یا مہینوں بارشیں ہوتی تھیں 10 فٹ یا اس سے زیادہ برف پڑتی تھی لیکن ہر وقت آج جیسی سیلابی صورت حال پیدا نہیں ہوتی تھی تو کیا وجہ ہے کہ آج معمولی بارشوں سے سیلابی صورت حال پیدا ہوتی ہے یا زمین کھسک جاتی ہے۔

ہم نے بارش کے لئے اپنی زمین تنگ کر دی جو زمین بارش کے پانی کو جذب کرتی تھی اُس زمین پر ہم نے بے ڈھنگ طریقے سے تعمیرات کھڑا کئے۔ لہٰذا اس صورت حال کا ذمہ دار یہاں کا لاعلم طبقہ ہی نہیں بلکہ خود غرض تعلیم یافتہ بھی ہے۔ اس مظلوم دھرتی پر قانون کے رکھوالوں نے بھی کھیتوں میں بے ڈھنگ طریقے سے اپنے اپنے آفس سجائے جہاں ہماری لاعلم قوم نے اور قانون کے رکھ والوں نے فلڈ چینلوں پر تعمیرات کھڑا کئے۔ وہیں ہم نے پالیتھین کی آلودگی سے ناکارہ ڈرینج سسٹم کو بری طرح ناکارہ بنا دیا۔

ستمبر 2014ء کے بدترین سیلاب نے کشمیری عوام اور حکومت وقت کی آنکھیں

کھول دی، ممکن ہے اس قوم کو اپنی غفلت کا احساس ہوا ہوگا۔خوش آئندہ بات یہ ہے کہ اب حکومتِ وقت بھی جھیلوں، دریاؤں اور ندی نالوں کے کناروں پر ناجائز تجاوزات ہٹانے کی کوشش میں سنجیدہ نظر آرہی ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ قوم بھی خودغرضی چھوڑ کر قانون کا ساتھ دے۔تب کہیں جاکر ہم مصیبت سے چھٹکارا پاسکتے ہیں۔حکومت کو چاہیئے کہ ناجائز تجاوزات کو ہٹانے، جنگلوں کی حفاظت کرنے اور پالتھین کی روک تھام کے لئے اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے علمی اقدامات کریں۔

ساتھ ساتھ اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ جہاں جہاں پر قانون کے رکھوالوں یا کسی گورنمنٹ ادارہ نے کھیتوں یا باغوں میں تعمیرات کھڑا کیئے ہیں یا اپنے آفس سجائے ہیں۔ اُن تعمیرات کو ہٹانے کی تگ دو کریں۔اگر ہم ابھی بھی حوش کے ناخن لیں اور دھان کے کھیتوں یا باغوں میں تعمیرات کھڑا نہ کریں بے ڈھنگ طریقے سے تعمیرات یا سڑکوں کا جال نہ بچھائیں، فلڈ چینلوں پر تعمیرات کھڑا نہ کریں۔جھیلوں، دریاؤں، ندی، نالوں کے کناروں پر ناجائز تجاوزات ہٹائیں۔جنگلوں کی دیکھ ریکھ کریں۔ پالتھین کا بے تحاشہ استعمال نہ کریں۔ ڈرینج سسٹم کا معقول انتظام کریں۔ پہاڑوں کے دامن سے زمین کھود کر پتھر نہ نکالیں۔تو بالیقین ہمارا مستقبل بھی روشن ہوگا۔

موسم سرما کی آمد اور غریب عوام

یوں تو ہماری وادی کشمیر کو جنت نظیر کا لقب ملا تھا۔ پر اس جنت نظیر میں کن کن معصوموں کو بے گناہی کی سزا ملتی ہے وہ خدا ہی جانے۔ بے شک ہماری وادی میں خوبصورت سما ملتا ہے۔ ہر طرف ہریالی نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت ساری نعمتوں سے نوازا ہے۔ پر ہماری بدقسمتی کہ ہم ان نعمتوں کو پہنچان نہیں سکتے ہیں۔ جب ہم نے ان نعمتوں کو پہچانا ہی نہیں تو شکر کرنا تو دور کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سرسبز جنگلوں سے نوازا ہے۔ کشمیر کے خوبصورت اور سرسبز پہاڑ ہمیں بہت کچھ سوچنے کے لئے مجبور کرتے ہیں۔ اگر ان کو نظر بد لگ گئی تو ہمارا مستقبل خدانخواستہ تاریک ہوگا۔ یہ پہاڑ جو ہماری رکھوالی کے لئے اللہ تعالیٰ نے تخلیق کئے تھے۔ رکھوالی کے علاوہ ان پہاڑوں میں ہمارے لئے بہت کچھ زندگی کا سامان اللہ تعالیٰ نے مہیا رکھا ہے جیسے تعمیر کے لئے لکڑی، سردی کے ایام میں سردی سے بچنے کیلئے بالن سے ہم کوئلہ بناتے ہیں، سبزیاں، دوائیاں (مختلف قسم کی جڑی بوٹیاں) مویشوں کے لئے چارہ، گھاس وغیرہ۔ چونکہ کشمیر میں تقریباً پانچ مہینے سردی کے ہوتے ہیں جن میں تقریباً 3 مہینے شدید سردی کے ہوتے ہیں۔ ان تین مہینوں میں کشمیر کے لوگ اپنے آپ کو گرم رکھنے کے لئے حمام اور کانگڑیوں کا استعمال کرتے ہیں ان کانگڑیوں کو بنانے کے لئے خاص قسم کی جھاڑیوں

سے پتلی یا باریک اور مضبوط ٹہنیاں حاصل کرتے ہیں۔ جن کو ہم کشمیر میں کٹزٔ پوش کے نام سے جانتے ہیں اور خاص کر ہمیں صاف وشفاف پانی جنگلوں سے ہی حاصل ہوتا ہے اور پانی کو ابال کر پینے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی۔

جیسے عرب ممالک کو اللہ تعالیٰ نے تیل کی دولت عطا کی ہے اسی طرح ہمیں پانی کی دولت عطا ہوئی ہے لیکن ہمیں پانی کو استعمال کرنے کا طریقہ آیا نہ پینے کا سلیقہ اس پانی کو ہم نے خود ہی گندہ کر دیا ہے اور خود ہی ہاہا کار کرتے ہیں اور اس صاف وشفاف پانی کو اتنا گندہ کر دیا کہ اگر ہم بنا ابالے پانی پی لیں گے تو ہسپتالوں کی طرف رخ کرنا پڑتا ہے۔ پانی کی دولت میں رہ کے بھی ہمیں پانی مول لینا پڑتا ہے۔

ان ساری دولتوں کو زندہ جاوید رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک اور دولت عطا کی تھی وہ ہے برف کی دولت جنگلوں کے لئے خاص کر دیودار فصل کے لئے برف نہایت ہی اہم ہے۔ کشمیر میں ابلتے چشموں کا راز ہمارے جنگل ہیں اور ان چشموں کو سیراب رکھنے کے لئے وادی کشمیر میں برف کا ایک خاص مقام ہے۔ اگر چہ برف یا موسم سرما کشمیر کے لئے خوش آئندہ ہے۔ لیکن غریب عوام کے لئے مصیبتوں کا پہاڑ جیسا ہے۔ یہاں پر کاروبار ٹھپ ہو کر رہتا ہے انسان قیدی بن کر گھر میں رہ جاتا بے روزگاری میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ سردیوں میں یہاں کھانے سے زیادہ گرمی کی ضرورت ہوتی ہے۔ مہنگائی کے اس بدترین دور میں غریب عوام کے لئے گرم کپڑے، گرم بسترے، کمبل وغیرہ لانا بہت ہی مشکل ہے۔

وادی کشمیر میں سردیوں سے بچنے کے لئے یہاں کے امیر زادہ لوگ گرم علاقوں کی طرف رخ کرتے ہیں۔ ریاست جموں و کشمیر میں دو راجدھانیاں ہیں ایک سرینگر میں اور دوسری راجدھانی جموں میں ہمارے سیاست دان حضرات سردیوں سے بچنے کے لئے گرم علاقہ جموں کی طرف رُخ کرتے ہیں اور یہاں کے غریب عوام کو بے آسرا چھوڑ کر خود عیش و عشرت میں رہ جاتے ہیں اور یہ طعنہ دیتے کہ مغرب میں بھی سردی ہوتی ہے اور وہاں کے

لوگ سردیوں میں Enjoy کرتے ہیں اور وادیٔ کشمیر کے لوگ سردیوں کے دن آنے پر روتے ہیں۔ان کو کیا معلوم کہ مغرب کے لوگوں کو ہر ایک سہولیت میسر ہوتی ہے اور وادیٔ کشمیر کے لوگوں کو کوئی بھی سہولیت میسر نہیں۔ یہاں کے جنگل بربادی کے دہانے پر ہیں۔سبزہ زار ویرانی کے منظر پیش کرتے ہیں جنگلوں کو کسی نے لوٹا اور سزا غریب عوام کو بھگتنی پڑتی ہے۔

ان شدید سردیوں کے ایام میں یہاں بالن، کوئلہ، ہیٹر، گیس کی اشد ضرورت ہوتی ہے لیکن یہاں کی حکومت خاص کر محکمۂ جنگلات نے نہ یہاں پر بالن میسر رکھی ہے نہ کوئلہ۔بجلی کا تو یہاں پر نام ونشان نہیں ہوتا۔بجلی میں صرف کٹوتی اور کٹوتی کے شیڈول نظر آتے ہیں۔ گیس کا بھی تو کہیں نام ونشان نہیں ہوتا کئی کئی دن گیس کے لئے انتظار کرنا پڑتا ہے۔نہ بالن، نہ کوئلہ، نہ بجلی، نہ گیس تو آخر وادی کے لوگ جائیں تو جائیں کہاں۔اب ہم Enjoy کریں یا اپنے قسمت پر روئیں۔دوسری بدقسمتی یہ کہ ملک کے ساتھ صرف ایک شاہراہ ہمیں ملاتی ہے اگر اس کو خون کی شاہراہ کہیں تو بے جا نہ ہوگا کیونکہ وہ شاہراہ بھی برف پڑتے ہی کئی کئی دنوں تک بند رہتی ہے۔اگر کبھی کبھار کھلتی بھی ہے تو صرف One Way کے لئے۔اس شاہراہ پر موسم سرما میں چلنا خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔ یہ شاہراہ بھی کتنی عظیم جانوں کو نگل گئی۔سردی کے ایام یہاں کے غریب عوام کے لئے کٹھن اور یہاں کے امیر زادہ لوگوں وسیاستدانوں جو گرم علاقوں میں رہ رہے ہوں Enjoy کے لئے کافی ہوتے ہیں۔

بچہ مزدوری، نتائج، وجوہات اور تدراک

بچہ اللہ تعالیٰ کی دَین ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انمول نعمت ہے۔ بچے جنت کے پھول ہیں ان کے بغیر دنیا سونی سونی ہے۔ گھر ان پرندوں کی چہچاہٹ سے خوب سے خوب تر ہوتے ہیں یہ ہماری پہچان ہے۔ یہ آج کے بچے اور کل کے عوام ہیں۔ یہ قوم کے معمار ہیں ہمارے باغ ان پھولوں کے بغیر ادھورے ہیں۔ ان کو احساس کمتری دلانا ہماری نادانی ہے ان کی پرورش کرنا ان کی اچھی تربیت کرنا ہمارا فرض ہے۔ یہ ہمارے مستقبل کی تعمیر ہے۔ یہ پھول کی ٹہنیاں ہمیں بار بار سنورنے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ مگر ہماری بدقسمتی ہے کہ ان کے اشاروں پر غور نہیں کرتے اور انہیں سمجھنے اور اپنانے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔ کچھ عادتیں جو ہر بچہ میں ہوتی ہے۔ نیک بندے بننے کے لئے انسان کے اندر ان عادتوں کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ یہ ہمارے بچے رزق کی کوئی فکر نہیں کرتے۔ اللہ انہیں کسی نہ کسی بہانے رزق پہنچا دیتا ہے۔ مل بانٹ کر کھاتے ہیں، لڑتے ہیں تو کینہ نہیں رکھتے، لڑائی کے بعد فوراً صلح کر لیتے ہیں اور سب کچھ بھول جاتے ہیں بالکل ایسے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ اپنے بڑوں سے ڈرتے ہیں، ذرا سی دھمکی سے رونے لگتے ہیں اس لئے کہ سزا یاد آتی ہے۔ کسی سے کوئی دشمنی نہیں رکھتے۔ کیا ہم نے کبھی جانا کہ ان پھول جیسے خوبصورت ہاتھوں میں قلم کا غذ اور اپنے قوم کی ترقی کا پرچم ہونا چاہیے تھا لیکن یہ خوبصورت چہرے اور ہاتھ دھول اور

کیچڑ سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔کبھی ان خوبصورت اور نازک ہاتھوں میں ہتھوڑا دیکھنے کو ملتا ہے۔ جہاں یہ تپتی دھوپ میں پتھروں کو توڑا کرتے ہیں۔کبھی ان ہاتھوں میں کلہاڑی نظر آتی ہے اور ان کا نازک بدن پسینے میں غرق ہو کر لکڑی کاٹنے میں مشغول رہتا ہے۔کبھی ہوٹلوں میں ویٹر کا کام کرتے نظر آتے ہیں کبھی کنڈیکٹر کے روپ میں ملتے ہیں جہاں حسن اخلاق کا جنازہ ہی اٹھتا نظر آتا ہے اور کہیں پلوں کے کام میں ان کا خون اور پسینہ ایک ہو کر نظر آتا ہے اور کہیں فیکٹریوں میں بھوکے پیاسے امیر زادہ لوگوں کے لئے آسائش کا سامان پیدا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔کبھی لاچار اور بے بس ہو کر بھیک مانگتے نظر آتے ہیں اور کبھی علم حقیقی میسر نہ ہونے کی وجہ سے راہوں میں کار بد کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔جن کندھوں پر کتابوں کا بستہ ہونا چاہئے تھا ان کندھوں پر پتھر، ریت کے ٹھیلے، اینٹیں، بالن، مختلف قسم کے لوگوں کی آرام دہ چیزیں، جو چیزیں امیر زادہ لوگوں کو آرام و آسائش پہنچاتے ہیں۔ وہیں چیزیں معصوم اور مزدور بچوں کے کاندھے زخمی کر کے رکھتی ہیں۔ ہماری معصوم بچی جس کو مکتب کی راہ دکھانی تھی، جسکو چراغ گھر بننا تھا اور جس کو جنت کی حور کا لقب ہونا چاہیے تھا اسی بچی کے ہاتھ میں کسی کے ہاں معمولی پیسوں کے عوض اور اپنے نفس کے خاطر جاڑو ہوتا اور نور جیسے چہرے پر دھول کی تہہ جمی رہتی ہے اور برتن صاف کرتے کرتے جھوٹا کھانا کھا کر اپنا نفس پالتی ہے۔ پرائے کے ہاں اچھی تربیت نہ ملنے کے سبب آخرکار شمع محفل بن جاتی ہے۔کیا ہمارے مزدور بچوں کے اندر کی آواز کبھی یہ مت آہوں اور سسکیوں کے ساتھ گنگناتی ہوتی ہوگی کہ

بنائیں کیا سمجھ کر شاخ گل پر آشیاں اپنا
چمن میں آہ! کیا رہنا جو ہو بے آبرو رہنا (ڈاکٹر اقبالؒ)

اگر چہ حکومت نے بچہ مزدوری کے خلاف قانون نافذ کیا ہے اور وقتاً فوقتاً بچہ مزدوری کے خلاف بیداری مہم بھی چلائی جاتی ہے جو کہ خوش آئند بات ہے۔لیکن قانون کو عملانے کی ضرورت ہے اور بیداری مہم میں سرعت لانے کی ضرورت ہے۔شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کی حاکم کا ایک گھڑی کا عدل ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے۔ ہمارے حاکموں کے لئے اسے بڑی خوش خبری اور کیا

ہونی چاہیے، اگر عدل ہو۔ خدانخواستہ بچہ مزدوری کیخلاف بیداری مہم میں اگر کچھ کوتاہی ہوئی تو بقول اکبرالہ آبادی

وہ قتل سے بچوں کے بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

بچہ مزدوری کے بہت سارے وجوہات ہیں ان پر مخلصانہ غور وفکر کیا جائے تو ضرور کامیابی ہمارے قدم چوم لے گی۔ رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ فقیری میرا فخر ہے۔ لیکن آج کے اس رسمی دور میں مہنگائی کے دور میں نا اتفاق کے دور میں، ایک دوسرے کو نہ سمجھنے کے دور میں، جمع خوری کے دور میں، ذخیرہ اندوزی کے دور میں ایک دوسرے کو عزت نہ کرنے کے دور میں غربت ایک بہت بڑی وجہ ہے۔ بچہ مزدوری کی غربت سے تعلیم بھی متاثر ہوتی ہے۔ غریبی میں نفس کے خاطر دردر کی ٹھوکریں کھانی پڑتی ہے۔ جو سہولیات بچوں کو میسر ہونی چاہیے غربت میں وہ سہولیات بچوں کو میسر نہیں ہوتی نتیجہ بچے غربت کا شکار بن جاتے ہیں۔ لاعلمی، خودغرضی، لالچ و جہالت کے تیر بھی بچوں کو شکار کرتے ہیں۔ میاں بیوی کے ازواجی زندگی میں تضاد ایک خوشحال گھر کو بدحال کر کے رکھتا ہے نتیجہ اولاد کی پڑھائی بھی متاثر ہوتی ہے۔ ازدواجی زندگی میں تضاد بچوں کے ذہن پر منفی اثر ڈالتا ہے اور بچے احساس کمتری کا شکار ہوتے ہیں جسے بچہ مزدوری بھی وجود میں آتی ہے۔

گھر میں بڑوں کی سگریٹ نوشی ہمارے بچوں کو شکار کر کے ہی رہتی ہے پہلے پہل ہمارے بڑے بچوں کے ہاتھوں سے سگریٹ وغیرہ منگواتے ہیں جسے ہمارے بچوں کے نازک ذہن اس بری عادت کے شکار ہوتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر جب ہمارے بچوں کو سگریٹ وغیرہ پینے کے لئے روپیہ پیسہ میسر نہ ہو تو وہ مزدوری کر کے اس نشہ میں پھنس کر ہی رہتے ہیں۔ ہمارے اسکولوں میں تعلیم کا فقدان، اساتذہ کی کمی، دوردراز علاقوں میں تعلیمی ادارے نہ ہونے کے برابر، بچوں پر حد سے زیادہ بوجھ Play Way Method نہ ہونے کے برابر، پرائیوٹ تعلیمی اداروں میں ایڈمیشن فیس یا ماہانہ فیس کی حد سے زیادہ بوجھ جو کہ غریب والدین ادا نہیں کر سکتے نتیجہ یہ کہ بچہ مزدوری کا رجحان گھٹنے کے بجائے

بڑھتا ہی دکھائی دیتا ہے۔ جہاں دور دراز علاقوں میں تعلیم کا میسر نہ ہونا بچوں کے حقوق پر شب وخون مارتا ہے وہیں پر دور دراز علاقوں میں پرنٹ میڈیا یا الیکٹرانک میڈیا کا دستیاب ہونا نہ ہونے کے برابر ہے جس کی وجہ سے دور دراز علاقوں میں رہنے والے خاص کر غریب طبقہ بے خبری کے عالم میں رہتے ہیں جس کی وجہ سے بچہ مزدوری کی بیداری مہم دور دراز علاقوں میں نہیں پہنچ پاتی۔ ہمارے گاؤں اور دیہات میں ابھی بھی زمانہ جہالت کی طرح لڑکیوں کے بجائے زیادہ تر توجہ لڑکوں پر دی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے لڑکوں کے بجائے لڑکیاں اکثر تعداد میں ان پڑھ رہ کر مزدوری کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہیں پھر آخر کار ''جس گھر میں تعلیم یافتہ اور نیک ماں ہو وہ گھر تہذیب اور انسانیت کی یونیورسٹی ہے'' قول کے برعکس ہوتا ہے ہماری وادی میں خاص کر پچھلے بیس برسوں سے جو ناساز گار حالات چلے آرہے ہیں اس نے بڑی تعداد میں یہاں یتیم بچوں کو جنم دیا کیسے کیسے خوشحال گھر اجڑ گئے۔ یتیم بچوں کے کندھوں پر اضافی بوجھ پڑ گیا۔ انہوں نے تعلیم کو خیر باد کہہ کے مزدوری کا سہارا لے کر اپنی ماں اور یتیم بھائی بہنوں کی پرورش کرنا شروع کی جس سے بچہ مزدوری کی ایک بڑی تعداد وجود میں آئی (اللہ خیر کرے)۔ حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کی عزت نہیں کرتا وہ ہم میں سے (میری امت میں سے) نہیں ہے۔

حضرت علیؓ کا قول ہے عظیم گناہوں کا کفارہ مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرنا ہے۔ ہمارے مذہب میں زکوٰۃ دینا فرض عین ہے اگر ہم پابندی کے ساتھ زکوٰۃ وصدقات ادا کریں گے ایک اللہ تعالیٰ ہماری جائیداد کی حفاظت فرماویں گے۔ دوسری طرف ہم غریبی اور بچہ مزدوری کو ایک حد تک قابو میں لاسکتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ زکوٰۃ وصدقات کو جائز طریقے پر خرچ کرنا ہے۔ محتاج اور مظلوموں تک پہنچ کر ہم اجر عظیم حاصل کر سکتے ہیں۔

یہ ہمارے بچے ''بند کتاب'' کی مانند ہے
ذرا کھول کر دیکھو تو سنور جاؤ گے

سڑک حادثات کیوں اور کیسے

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا کہ 72 چیزیں قرب قیامت کی علامت ہیں۔ان 72 چیزوں میں ایک علامت یہ بھی ہے کہ ناگہانی موت عام ہو جائے۔ ایک دن ایسا بھی تھا کہ گاڑی دیکھنے کو جی کرتا تھا۔سڑکیں خستہ حالت میں ہوتی تھیں آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی بہت ساری جگہیں ایسی ہیں جہاں سڑکیں برابر خستہ حالت میں ہیں۔ بالخصوص وادی کشمیر میں اس وقت تقریباً دو لاکھ سے زائد گاڑیاں سڑکوں پر دوڑتی نظر آ رہی ہیں۔شہر اور گاؤ ں تقریباً تقریباً برابر نظر آ رہے ہیں۔سڑکوں پر دن بدن نئی نئی ماڈل کی گاڑیاں نظر آ رہی ہیں چاہے یہ گاڑیاں ہمارے بینکوں کی دین ہو یا کسی اور مسئلے سے سڑکوں کی رونق بنی ہوئی ہیں۔گاڑیوں کی اس بھر مار اور کثرت استعمال نے حادثات کے ایک ایسے نہ تھمنے والے سلسلہ کو جنم دیا ہے کہ ہر کوئی حیران و پریشان ہے۔لیکن یہ سڑک حادثات یوں ہی نہیں ہوتے، ان کی کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے۔ کہیں پر سڑکیں تنگ ہوتی ہیں تو کہیں پر اُوورٹیکنگ حادثوں کی وجہ بن جاتی ہے، کہیں پر ڈرائیونگ میں ناتجربہ کاری نظر آتی ہے تو کہیں پر ڈرائیور حضرات منزل پر جلدی پہنچنے کے لئے بیتابی کا مظاہرہ کرتا ہوا نظر آ رہا ہے۔کوئی جلد بازی میں سڑک کراس کرتا ہوا نظر آ رہا ہے تو کوئی فلمی انداز کی ڈرائیونگ کی نقل کرتا نظر آ رہا ہے۔غرض انسان کی غفلت ہی حادثوں کا موجب بن جاتی ہے۔انسانی جان بہت زیادہ

قیمتی ہے اس کی قدر کرنا ہمارا فرض بنتا ہے۔ کسی بھی کام میں جلد بازی یا غفلت شعاری شیطانی عمل ہے ان چیزوں سے ہمیں دور رہنا بہتر ہے۔ جہاں حکومت نے ٹریفک رولز وضع کیے ہیں وہاں ان کو عملانے کی بھی اشد ضرورت ہے۔اس سلسلے میں عوام وخواص ہر کوئی (چاہیے وہ ڈرائیور ہو، سواری ہو یا رہ گزر) غفلت کا مظاہرہ کر رہا ہے اور قانون کو نظر انداز کر کے اپنے اور اپنے بھائیوں کے لئے موت کا سامان پیدا کرتا ہے۔

اُسی ملک میں قانون زیادہ ہوتے ہیں جہاں پر ظالم حکمران ہوتے ہیں یا بے لگام رعایا، ہمارے عوام کو بھی چاہیے کہ اپنی اور اپنے بھائیوں کی خفاظت کے لئے کام کریں۔خود سمجھیں حق کیا ہے اور ناحق کیا ہے غلط کیا ہے اور صحیح کیا ہے سگریٹ بس میں، آفس میں، چوراہوں پر نہ پینے کے لئے بھی یہاں قانون بنانا پڑتا ہے جبکہ ہم سب جانتے ہیں کہ سگریٹ صحت کے لئے مضر ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ کیلوں کے چھلکے راستے میں یا سڑک پر ڈالنا ٹھیک نہیں کیونکہ کیلوں کے چھلکے پر پاؤں پھسلنا خطرے سے خالی نہیں اور گندگی میں اضافہ ہوتا ہے تب بھی ہم جان بوجھ کر اس طرح کی کتنی غلطیاں کر تے آ رہے ہیں۔ شاید حکومت وقت کو اس پر بھی قانون بنانا پڑے کہ کیلوں کے چھلکے سڑک پر نہ ڈالیں۔

بے لگامی کا مظاہرہ کرنا مہذب عوام کے لئے ٹھیک نہیں تہذیب یافتہ قوم ہی ترقی کرتی ہے۔اسی طرح سڑک حادثوں کا معاملہ ہے اگر ہم لوگ خود جلد بازی نہ کریں، غفلت شعاری کا مظاہرہ نہ کریں، بیتابی کو اپنے پاس جگہ نہ دیں سوچ سمجھ کر سفر کریں ہوش مندی واعتدال پسندی سے ڈرائیونگ کریں یا سڑک کراس کرنے میں ضبط وتحمل اور دانشمندی سے کام لیں تو بہت حد تک سڑک حادثات کو کم کیا جاسکتا ہے۔ ہمارے ٹریفک اہلکار بھی عوام کا ہی ایک جز ہے لیکن ان کے کاندھوں پر ایک عظیم ذمہ داری ہے اس عظیم ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے انہیں چاہیے کہ یہ خیال رکھیں کہ ٹریفک رولز کو کہیں پاؤں تلے نہ روندے اگر ٹریفک اہلکاروں اور عوام کے بیچ کہیں رشوت خوری اپنا سر نکالتی ہے تو شاید یہ عظیم کام نہیں بلکہ شیطانی صفت ہے۔

بڑھتی آبادی بھی سڑک حادثات کی ایک بڑی وجہ ہے قیامت کی بھیڑ جیسی ہمارے شہروں،

گلی کوچوں میں نظر آتی ہے۔ رہ گزر اور گاڑیاں سنگ سنگ چلتے نظر آرہے ہیں ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ گاڑیوں کے لئے سڑکیں اور رہ گزر کے لئے فٹ پاتھ اور سڑکوں کا اصل میں ہونا چاہیے تھا کہ دریا و نالوں کے کنارے کنارے تعمیر ہو یا جنگل کے دامن دامن سڑکوں کا گزر ہولیکن ستم ظریفی یہ کہ اکثر و بیشتر جگہوں پر گاؤں وشہروں کا پیٹ چاک کر سڑکیں تعمیر کی گئیں جسے ہمارے بڑوں و بچوں کا گھومنا محال سے محال نظر ہوتا چلا آرہا ہے اور سڑک حادثوں میں اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب سواریاں گاڑیوں کے پیچھے دوڑتے تھے اور یہ زمانہ کی گاڑیاں سواریوں کے پیچھے دوڑتی نظر آرہی ہیں اور ہمارے ڈرائیور حضرات سواریوں کو حاصل کرنے کے لئے دوسری گاڑی سے سبقت لینے کی کوشش کررہے ہیں۔ نتیجہ ان گاڑیوں کے ایک دوسرے کے پیچھے پڑنے سے من مانی و تیز رفتاری وجود میں آتی ہے جو سڑک حادثات کا موجب بن جاتی ہے۔

ہر روز اخباروں میں سڑک حادثوں کی خبریں پڑھنے کو ملتی ہیں اور کتنے عظیم جانیں ان حادثات کا شکار ہوتی ہیں، وجہ صرف ان حادثوں کا یہ ہوتا ہے کہ کہیں اُوورلوڈنگ، کہیں اُورٹیکنگ، کہیں غلط پارکنگ، کہیں جلد بازی، کہیں من مانی، کہیں شراب نوشی، کہیں گستاخی، کہیں ناتجربہ کاری اور کہیں تیز رفتاری۔ ستم ظریفی یہ بھی ہے کہ سواریاں نہ ملنے کے باعث یا سواریوں کی زیادہ لالچ کے باعث ہمارے ڈرائیور حضرات دس کلومیٹر فی گھنٹہ کے رفتار سے چلتے ہیں اور ایک گھنٹے کا سفر تین گھنٹے میں طے کرتے ہیں اس گاڑی میں جو ملازم یا بیمار وغیرہ سفر کرتا ہے وہ تنگ آکر ڈرائیور کو بُرا بھلا کہتے ہیں، انہیں خوش کرنے اور ان کے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے ہمارے ڈرائیور حضرات سفر کے آخری چند کلومیٹروں میں حد سے زیادہ تیز چلتے ہیں اور یہ حد سے زیادہ تیز چلنا بھی کہیں کہیں حادثوں کا موجب بن جاتا ہے۔

لیکن یہ حقیقت عیاں ہے کہ ہمارے عوام میں بے تابی و جلد بازی اس حد تک ہے کہ وہ ڈرائیوروں کو تیز چلنے پر مجبور کرتے ہیں اس کی زیادہ مثالیں کپواڑہ سرینگر نان سٹاپ گاڑیوں میں ملتی ہے۔ غرض ان سڑک حادثوں میں حکومت، ٹریفک اہلکار، ڈرائیور حضرات اور عوام برابر کے حصہ دار ہیں۔

عورت گھر کا چراغ نہ کہ شمع محفل

پردہ مسلم معاشرے کی پہچان ہے، پردہ کا لغوی معنی ہے بھید، پردہ کرنا مسلمان مرد اورعورت پرفرض ہے۔مردوں کے لئے ناف اور گھٹنے کا درمیان کا حصہ ''ستر'' قرار دیا گیا جبکہ عورتوں کے لئے ستر کے حدود وسیع رکھے گئے ہیں۔ پردہ اورعورت ایک ہی معنی رکھتے ہیں عورت کے لغوی معنیٰ ہے جسم کے وہ حصّے جن کا کھولنا موجب شرم ہے۔

کلام پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ''اے نبی ﷺ! مومن مردوں سے کہوں کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت وعفت کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزگی کا طریقہ ہے۔ یقیناً اللہ جانتا ہے کہ جو کچھ وہ کرتے ہیں۔'' النور) مسلم معاشرے کا تصور جو ہمیں اسلام نے دیا ہے بہت خوبصورت اور پاکیزہ ہے۔اس پاک معاشرے میں رہ کر ہمیں حیاء وشرم، پاکیزگی، طرز کلام، خدمت خلق، خوداعتمادی، سادگی اور امیر کی اطاعت کی تعلیم ملتی ہے۔ بے شک ہمارے معاشرے میں وہ بھی عورتیں ہیں جو شرعی پردہ میں رہ کر زندگی بسر کرتی ہیں۔ بس ان کی وہ شان ہے جو حق تبارک وتعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔ یعنی پاک

دامن ہیں اور بھولی ہیں، چالاک نہیں ہیں جب حق تعالیٰ عورتوں کے بھولے پن اور بے خبری کی تعریف فرماتے ہیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ اسی میں بے نظیر ہے اسی میں آبرو کی خیر ہے۔

لیکن مغربیت نے جس طرح ہماری عقل پر پردہ ڈالا ہے اور آنکھوں میں دھول جھونک دی ہے وہ اس دیمک کی طرح ہے جو اندر اندر سے ہمارے معاشرے کو چاٹ رہا ہے اور کھوکھلا کر رہا ہے جس میں ہمیں نہ اپنے وجود پر نظر ہے نہ موت پر جو موت ہمارے لئے ایک بڑی مثال ہے۔ ایک عقل مند کی دانا باتیں اس کی تصدیق یوں کرتے ہیں کہ آج نئے نئے فیشن کے کپڑے پہن کر خوش ہو رہی ہیں کل آپ کو کفن پہنایا جا رہا ہوگا۔ آج آپ موٹر گاڑی پر سفر کرتیں ہیں کل آپ کا سفر چارپائی پر طے ہوگا۔ آج آپ خوبصورت سجے ہوئے گھر میں رہ رہی ہیں کل ایسے گھر میں جہاں اندھیرا ہے نہ تکیہ ہے نہ لائٹ ہے، جہاں کیڑے مکوڑے آپ کے جسم کو اپنی خوراک بنا رہے ہوں گے۔ آج آپ کا جو جی چاہے کرتی ہیں لیکن کل آپ کا جسم ساکت ہوگا۔ ''عورت چراغ گھر ہے شمع محفل نہیں'' اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتے ہے کہ ''اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ بیٹھی رہو اور زمانہ جاہلیت کے سے بناؤ سنگھار نہ دکھائی پھرو'' (الاحزاب) اور کلام پاک میں دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اور اپنے پاؤں زمین پر اس طرح مارتی ہوئی نہ چلیں کہ جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہے وہ معلوم ہو جائے'' (النور)

عورت کی تشبیہ ایک انمول ہیرے کے ساتھ دی گئی ہے جس کو اگر پردے میں نہ چھپایا جائے تو اس کو چوری ہونے کا ڈر لگا رہتا ہے۔ ہیرے کو اگر پردے کے بغیر باہر رکھا جائے تو ہیرے کو محفوظ سمجھنا نادانی اور کم عقلی ہے۔ پردے کے بغیر ہیرے پر میل بھی پڑ سکتا ہے اور ٹھوکروں سے ٹوٹ بھی سکتا ہے۔

ماضی قریب کی ہی بات ہے جب ہم دیکھا کرتے تھے کہ اگر کسی وجہ سے ہماری ماؤں، بہنوں یا بیٹیوں کے سر سے دوپٹہ سرک جاتا اور غیر محرم کا وہاں سے گزر ہوتا تو ہماری ماں

،بہن یا بیٹی اپنا بازوسر پر رکھ کر شرم سے جھک کر رہتی تھی اور فرن[۱] کے بغیر چلنا پھرنا گوارانہیں کر تی تھی۔اب اگر آج ہم اپنے ماحول پر نظر دوڑاتے ہیں تو جذبات کو اُبھارنے والا لباس نظر آتا ہے۔ ہرلباس پرکشش Attractive اور خاص کر ہمارے معاشرے کا آجکل کا برقعہ جس کو ہم پردہ مانتے ہیں Sensual یعنی شہوانی دکھائی دیتا ہے۔دھوپ اور دھول بالوں کی صحت مندی کے لئے رکاوٹ بنتی ہے خبر ہوکر بھی بے خبری کا مظاہرہ کرتی ہے۔حضورﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ ''جو شخص اجنبی عورت کے محاسن پر شہوت کی نظر ڈالے گا۔'' قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ''اے نبیﷺ ! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر چادروں کے گھونگھٹ ڈال لیا کریں۔اس سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ پہچانی جائیں گی اوران کوستایا نہ جائے گا۔(الاحزاب:۸)۔

ہماری بہنیں اور بیٹیاں ایک بڑی تعداد میں عمر کی حد کو پار کرگئی ہیں۔مگر پھر بھی ابھی کنواریاں ہیں اگراس کی ایک وجہ جہیز ہے تو دوسری وجہ بے پردگی ایک بڑی رکاوٹ بن کر ابھرتی ہے بے پردگی کی وجہ سے حسن اخلاق بھی بسمل ہوکر رہ گیا ہے۔ جسے طلاق کا رجحان بڑھتا گیا اور خودکشیاں عام ہوکر رہ گئیں جب ہماری بہن یا بیٹی بے پردہ یا Sensual Dress پہن کر بازار کی زینت بنتی ہے تو یہ بھول جاتی ہے کہ ''بند ہے مٹھی تو لاکھ کی کھل گئی تو خاک کی''۔

❖❖

[۱] :......لمبا، چوڑا، ڈھیلا ڈھالا لباس

تمباکونوشی، کیا کھویا، کیا پایا؟

یوں تو تمباکونوشی نے پوری دنیا میں وبا کی صورت اختیار کر دی، مگر ہماری وادی میں تمباکونوشی نے ایسا جال بچھا دیا کہ تقریباً 60% لوگ اس جال میں پھنس کر رہ گئے۔ تمباکو دراصل اردو لفظ ہے یہ لفظ فارسی اور عربی میں تمباک، سندھی میں تماک، بنگلہ میں تماکو، ترکی میں تتن اور انگریزی میں ٹوبیکو کہلاتا ہے۔ اسی تمباکو کی وجہ سے کتنی جانیں صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں اور کتنی جانیں اپاہج ہو کر رہ گئیں۔ ایک تو اس تمباکونوشی سے صحت برباد ہو جاتی ہے۔ صحت جو کہ ہزار نعمت سے بہتر ہے اس کی پرواکئے بغیر ہم تمباکونوشی سے گریز نہیں کرتے ہیں بلکہ دن بہ دن تمباکونوشی میں اضافہ ہی کرتے ہیں۔ دوسری طرف ہم ایک بہت بڑی رقم تمباکو نوشی پر صرف کرتے ہیں جس رقم سے ہم بہت سے تعمیری کام انجام دئے سکتے تھے یا جس رقم سے ہم اپنے بال بچوں کا پیٹ پال سکتے تھے اور جو رقم ہم اپنے بال بچوں کی تعلیم پر صرف کر سکتے تھے جو بچے قوم کے معمار ہوتے ہیں۔ اس بہت بڑی رقم کو ہم تمباکونوشی پر صرف کرتے ہیں جن بچوں کے ہاتھوں میں قلم ہونا چاہیے تھا ان بچوں کے ہاتھ سے ہم سگریٹ منگواتے ہیں اور ایک دن ایسا آتا ہے کہ جن خوبصورت ہاتھوں میں قلم اور کتاب ہونی چاہئے تھی ان

خوبصورت ہاتھوں میں سگریٹ کی پاکٹ ہوتی ہے اور جن بچوں کے منہ میں کلمہ حق ہونا چاہیے تھا ان بچوں کے منہ میں سگریٹ کے دھویں کی بد بو ہوتی ہے۔ سگریٹ نوشی موت کا ایسا ایک کنواں ہے جس میں ایک انسان پھسل کر گر جاتا ہے اور پھر ہزار کوشش کر کے باہر نہیں نکل سکتا ۔رسول اللہ ﷺ نے ہر نشہ آور اور فتور (بے حسی، مدہوشی اور مستی) پیدا کرنے والی تمام چیزوں کے استعمال سے منع فرمایا ہے۔ حتیٰ کہ یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ ہمارے بعض کشمیری حجاج اپنے سفر حج کے سامان میں جن ضروریات کا اہتمام کرتے ہیں ان میں تمبا کو کی وافر مقدار اور حقہ کو سامان کا سرتاج بناتے ہیں اور سننے میں آیا ہے کہ ہمارے حجاج کرام مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ ،منیٰ اور عرفات غرض تمام مقامات مقدسہ پر بے دریغ تمبا کو نوشی کرتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تمبا کو سے دور رہنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔

اگر چہ ہماری وادی میں تمبا کو نوشی کے خلاف ایک بیداری مہم بھی چلائی جاتی ہے جو کہ خوش آئندہ بات ہے مگر پھر بھی تمبا کو نوشی کے خلاف بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ تمبا کو نوشی ایک حرام شئے ہے کیونکہ اس کے پینے سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ اُلٹا نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے کہ ’’فضول خرچی سے مال نہ اُڑاؤ کہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار (کی نعمتوں) کا کفران کرنے والا (یعنی ناشکرا) ہے۔ (بنی اسرئیل) دوسری جگہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے کہ ’’ کھاؤ اور پیو اور بے جانہ اُڑاؤ کہ بے شک اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں (بے جا اڑانے والو) کو پسند نہیں کرتا (الاعراف:۳۱) ہماری وادی میں کھانے پینے کی جو اشیاء بیرون ریاست سے لاکھوں اور کروڑوں روپے کی سالانہ درآمد کی جاتی ہے اس کے ساتھ ہی تمبا کو بھی ایک کثیر رقم کے عوض سالانہ درآمد کیا جاتا ہے۔ ہماری وادی میں بھی تمبا کو نوشی کی وجہ سے عوام کی محنت و مشقت کی کمائی کا لاکھوں روپیہ ضائع ہوتا ہے۔ ہمیں چاہیے تھا کہ ہر وقت اپنے صحت کی حفاظت کریں اور خواہ مخواہ کسی بیماری کو خود دعوت نہ دیں جبکہ سگریٹ نوشی سے ہم

اپنے جسم کو بہت سارے بیماریوں میں مبتلاء کرتے ہیں۔ایک حدیث شریف کامفہوم ہے کہ جس شخص نے زہر کھا کر اپنی جان لے لی وہ زہر اس کے ساتھ میں ہوگا وہ اسے استعمال کرتا ہوا جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سزا بھگتے گا۔تمبا کونوشی سانپ کی مانند ہے جوانسان کے جسم سے لپٹا ہوا ہوتا ہے معاشرے میں سگریٹ نوش کی قدر نہیں رہ جاتی اس کا چہرہ، نیلے ہونٹ اور منہ کی بو محفل سے دور رہنے پر مجبور کرتی ہے۔ بڑھاپے میں بار بار کھانسنا، بلغم کا نکالنا اس کی اہمیت اور عزت کو پامال کر دیتا ہے۔ ماہر نفسیات کا کہنا ہے کہ سگریٹ نوشی انسان کے جنسی صحت کے لئے بڑا خطرہ ہے۔ سگریٹ کی ہر پاکٹ پر کمپنی کا یہ انتباہ تحریر ہوتا ہے کہ (سگریٹ پینا صحت کے لئے مضر ہے) لیکن عجیب بات ہے کہ اس کے استعمال کی ترغیب کا بازار بھی گرم ہے۔ ماہر نفسیات کا کہنا ہے کہ سولہ اگست 1945ء کو جو ایٹم بم ہیروشیما پر گرایا گیا تھا اس کے نتیجے میں دولاکھ ساٹھ ہزار انسان جان بحق ہوئے تھے جبکہ ہر سال کم سے کم دس لاکھ آدمی ترقی یافتہ ممالک میں سگریٹ سے ہلاک ہوتے ہیں۔1975ء میں عالمی تنظیم صحت (WHO) نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ سگریٹ نوشی سے مرنے والے یا بدحال زندگی گزارنے والے تعداد میں ان لوگوں سے زیادہ ہیں جو طاعون، کالرہ، چیچک، سل، ٹائیفائڈ جیسے امراض کا شکار ہو کر مرتے ہیں۔ جہاں سگریٹ نوشی دل کو خراب کر دیتی ہے۔ سینے کے ایسے امراض (مثلاً ٹی بی، دمہ، کینسر وغیرہ) پیدا کرتی ہے اور قوت باہ کو کمزور کر دیتی ہے۔ وہیں قدیم اطباء کی کتابوں میں تمباکو نوشی سے پرہیز کا اکثر تذکرہ ملتا ہے۔ تحقیق و تجربہ کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ تمباکو کی جملہ اقسام زہریلی بوٹیاں ہیں اور ان سے نکوٹین جیسی خطرناک زہر کشید کی جاتی ہے جس کا ایک ہی انجکشن انسان کے خاتمے کے لئے کافی ہے۔

اسلام کا پیغام بنت حوّا کے نام

نیک عورت اللہ تعالیٰ کا عظیم تحفہ ہے اسلام نے جس عزت واحترام سے ایک عورت کو نوازا ہے شاید کہ وہ مثال اور کہیں مل جائے۔ ہماری بہنوں اور بیٹیوں کو چاہیے کہ قرآن اور احادیث کا گہرائی سے مطالعہ کریں اور وہاں پر اپنا مقام پائیں مغربیت نے ایک لڑکی کو برہنہ کر کے بازار کی زینت بنا دیا، ایسی برہنہ اور بازاروں کی زینت بنی ہوئی صنف نازک نے سیکس اسکینڈل، اغوا کاری، بے حیائی، بے شرمی، زبان درازی، ایڈز اور مختلف قسم کے فتنہ و فسادوں وشک وشبہات کو جنم دیا۔

عورت کیا ہے؟

۱...... بیٹی ۲...... بہن ۳...... ماں

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہارے سامنے بیٹی بھی آئے گے اور بہن بھی تمہارے سامنے بیوی بھی آئے گی اور ماں بھی۔ لیکن جب تمہارے سامنے بیٹی آئے تو اس کو محبت کی نظر سے دیکھو۔ جب تمہارے سامنے بہن آئے تو اس کو شفقت کی نظر سے دیکھو، جب تمہارے سامنے بیوی آئے تو اس کو عنایت کی نظر سے دیکھو اور جب تمہارے سامنے ماں آئے تو اس کو رحمت کی نظر سے دیکھو۔ کیونکہ ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔

آج کل یہ حالت ہے کہ جب ہمارے سامنے بہن یا بیٹی آتی ہے تو شرم سے سر جھکانا پڑتا ہے۔ ہماری بہن یا بیٹی یا تو ننگے سر ہوتی ہے یا ایسا لباس پہنا ہوا ہوتا کہ پورا جسم دکھائی دیتا ہے۔ یہی آخری دور کی علامت ہے کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ آخری دور کی عورتیں لباس پہن کر بھی ننگی ہونگیں۔ آج ہماری دنیا کا یہ حال ہے کہ مردوں اور عورتوں کو اپنے جسم کا کوئی حصہ کھول دینے میں شرم نہیں آتی۔ یہ لوگ لباس کو محض زینت سمجھتے ہیں سترِ عورت نہیں۔ اسلام کی نگاہ میں زینت سے زیادہ سترعورت کی اہمیت ہے۔ اسلام نے عورت اور مرد دونوں کو جسم کے وہ تمام حصے چھپانے کا حکم دیا ہے جو ایک دوسرے کے لئے صنفی کشش پائی جاتی ہے۔ عریانی ایک ایسی ناشائستگی ہے جس کو اسلام کسی حال میں بھی برداشت نہیں کرتا۔ غیر تو غیر اسلام اس کو بھی پسند نہیں کرتا کہ میاں اور بیوی ایک دوسرے کے سامنے برہنہ ہوں۔ اس سے بڑھ کر شرم و حیاء یہ کہ تنہائی میں بھی عریاں رہنا اسلام کو گوارہ نہیں اللہ اس کا زیادہ حق والا ہے کہ اس سے حیاء کی جائے۔ اسلام کی نگاہ میں وہ لباس درحقیقت لباس ہی نہیں جس میں بدن جھلکے اور ستر نمایاں ہو۔ لباس ایسا ہونا چاہیے تھا جو شرم و حیاء غیرت و شرافت اور جسم کی ستر پوشی اور حفاظت کے تقاضوں کو پورا کرتا۔ ہمارے لئے مہذب و باسلیقہ لباس بہتر ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے اولادآدم ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے کہ تمہارے جسم کے قابل شرم حصوں کو ڈھانکے اور تمہارے لئے زینت اور حفاظت کا ذریعہ بھی ہو۔ (الاعراف)

لباس کا مقصد زینت و آرائش اور موسمی اثرات سے حفاظت بھی ہے لیکن اولین مقصد قابل شرم حصوں کی ستر پوشی ہے۔ خدا نے شرم و حیاء انسان کی فطرت میں پیدا فرمائی ہے لیکن ہم نے شرم و حیاء کو بالائے طاق رکھ کر بے حیائی اور بے شرمی کو عروج دیا ہے۔ ٹیلی ویژن میں ایسے ڈارمہ سیریلز کو دیکھ کر جس میں بے حیائی، بے شرمی، عریانیت، عورت کی حاکمیت، مردوں کی محکومیت، زبان درازی، ننگا ناچ کو عروج ملا ہے اور عورت کو ایک پروڈکٹ کے طور پر سامنے لایا جارہا ہے جس کو ہم نے اپنی زندگی کا مقصد بنایا ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ

ایسے سیریلز ہمارے لئے میٹھا زہر ہے۔آج کل جو لباس دیکھنے کو ملتا ہے، پہننے والا یا پہننے والی ایک عجوبہ یا کھلونا بن جاتے ہیں اور لوگوں کے لئے ہنسی اور دل لگی کا موضوع مہیا کرتی ہے۔ لباس سے خدا نے صرف انسان کو نوازا ہے دوسری مخلوقات اس سے محروم ہے۔لباس خدا کی ایک زبردست نشانی ہے اس لئے ہمیں چاہیے کہ لباس کا ایسا حق ادا کیا جائے جو اس کا حق ہے۔

پیاری بہنو اور بیٹیو! کیا آپ مغربی معاشرے کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہیں؟ کیا آپ اس کو پسند کرتے ہیں کہ آپ کے سماج میں بھی وہی گندگی پھیلے جو مغربی معاشرے نے قبول کی ہے کیا آپ اپنے سماج میں گھر میں خاندان میں شہوانی ماحول، بے حیائی، بے راہ روی کو پناہ دینا چاہتے ہو؟ کیا آپ اپنے خاندان اور گھر کا نظام درہم برہم کرنا چاہتے ہو؟ اگر آپ ان نتائج کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہو، اگر آپ صالح اور پاکیزہ تمدن چاہتے ہو۔ اگر آپ حقیقی عزت اور اچھا ماحول چاہتے ہو تو آپ کو اپنے آپ میں حقیقی بدلاؤ لانے کی ضرورت ہے۔پچھلے تقریباً دو دہائیوں سے یہ دیکھنے کو ملتا ہے کہ اب والدین نے اپنی لڑکیوں پر حفاظت و نگرانی کرنا چھوڑ دی ہے۔اب لڑکیوں کو اتنی آزادی حاصل ہے جو ایک زمانے میں لڑکوں کو بھی حاصل نہ تھی۔ مجھے پورا یاد ہے کہ جب تقریباً بیس پچیس سال قبل کوئی عورت یا لڑکی گاڑی میں چڑھ جاتی تھی تو کوئی بھی مرد اپنی سیٹ سے کھڑا اُٹھ کر اس کو پہلے سیٹ چھوڑنے کی سبقت حاصل کرنا چاہتا تھا۔آج جب ہم دیکھتے ہیں کہ گاڑیوں میں مردوں سے زیادہ عورتوں کی تعداد ہوتی ہے اور کوئی بھی مرد سیٹ چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتا کیونکہ ہماری بہنوں اور بیٹیوں کی شکل وصورت ہی ایسی ہوتی ہے کہ سیٹ چھوڑنا ایک مرد گناہ سمجھتا ہے۔ ہماری بہن یا بیٹی یا تو ننگے سر ہوتی ہے یا چست لباس پہن کر ہوتی ہے یا شہوانی لباس (Attractive Dress) پہن کر ہوتی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو عورت عطر لگا کر لوگوں کے درمیان سے گزرتی ہے وہ آوارہ قسم کی عورت ہے۔ہمیں چاہیے کہ ہم اجتماعی ماحول کو حتی الامکان شہوانی نظروں سے پاک رکھیں تاکہ ہمیں جسمانی وذہنی قوتوں کو ایک پاکیزہ اور

پُرسکون فضاء میں نشو نما اور ارتقاء کا موقع ملے اور ہم تعمیر و تمدن میں اپنے حصہ کا کام انجام دے سکیں۔ ہمیں یاد ہے کہ ہماری بزرگ مائیں جب شباب میں تھیں تو کیسا ڈھیلا ڈھالا لباس پہنا کرتی تھیں اور کشمیر کا روایتی فرن ہر وقت ان کو پہنا ہوا ہوتا تھا اور اپنی خواب گاہ میں جا کر بھی فرن نکالنے کو شرماتی تھیں۔ سر سے دوپٹہ اٹھنے کا تو سوال ہی نہیں ہوتا۔ شرم اور حیاء دار وہ بہنیں اور بیٹیاں امن کا گہوارہ تھیں۔ انہوں نے اپنی روایت و تہذیب کی ہر وقت لاج رکھی تب ہی ہماری وادی میں امن اور اسلام نے اپنے جڑ مضبوط کر دئے تھے۔ آج جب ہماری بہنیں اور بیٹیاں الیکٹرانک میڈیا یا پرنٹ میڈیا میں ایک پروڈکٹ کے طور پر استعمال ہوتی ہیں اور بازاروں کی زینت بنی ہوئی ہے آج دیکھو تو برکت اور حیاء و شرم کا جنازہ ہی اُٹھ رہا ہے۔ بے حیائی و ننگا ناچ نے ہی جنسی اسکینڈل و اغوا کاری جیسی چیز کو وجود میں لایا۔ خدا بچائے اگر حالات ایسے ہی آگے بڑھ گئے تو وہ دن دور نہیں جب ہماری وادی میں یہ بے حیائی، چست لباس، برہنہ پن لاوے کی طرح پھٹ کر پوری وادی کو اپنی لپیٹ میں لے گا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے تم مجھے بہترین مائیں دو میں تجھے بہترین قوم دوں گا۔

اے بنت حوّا اپنے آپ کو بچا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!

جب میں عیدگاہ کی طرف چلا گیا

ہر کوئی خوشی کا آرزومند ہوتا ہے اس لئے ہر دعا میں اللہ سے اپنے لئے خوشیاں طلب کرتا ہے۔ اللہ بھی اپنے بندوں کو خوشیاں عطا کرنے کیلئے بہانہ طلب کرتا ہے۔ لہذا ہمیں بھی اپنی زندگی کے ہر موڑ پر توبہ کو ساتھ رکھنا چاہے ممکن ہے اللہ اسی بہانے سے ہماری بخشش فرما کر ہمیں دونوں جہانوں کی خوشیوں سے نوازے۔ ہمیں اللہ رب العزت نے شرعی خوشیاں منانے کے لئے دو عیدیں عطا کی ہیں۔ عید کا مفہوم یہی ہے کہ وہ خوشی جو بار بار آئے۔ یہ تو مقدر کی بات ہے کہ کون حقیقی خوشیوں سے جھومے اور کون غم والم سے مرجھا جائے۔ میں بھی خوشیوں کا متمنی ہوں اسی لئے رمضان کا پورا مہینہ عید کے انتظار میں رہا کہ اپنوں سے خوشیاں بانٹ لوں۔ شاید کہ عید کے بہانے بچھڑے ہوئے دوستوں سے ملاقات نصیب ہو عین ممکن ہے کہ کسی کی دعا رنگ لائے اور ایک دوسرے کے گلے شکوے بھی دور ہو جائیں۔

بہرحال انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئی۔ آخر عید آ ہی گئی۔ عید کا چاند نظر آنے کا چرچا جوں ہی میرے کانوں میں گونجا میں اوروں کی طرح بچپن کی ملی جلی یادوں میں کھو بیٹھا۔ وہ گھر سے نکلنا اور گلی کوچوں میں دوستوں کو تلاش کرنا اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر لانا پھر آپس میں خوشیاں بانٹنا،

ہنسنا اور مسکرانا۔ یاروں کے بانہوں میں رہنا اور دل کا سکون پانا۔بستی کے شور وغل کی آلودگی سے دور کھیت کھلیانوں میں جا کر کھیلنا اور میٹھی میٹھی یادیں لے کر دیر گئے گھر کی طرف واپس لوٹنا ،واہ کیا سماں تھا۔کسی نے میری یہ میٹھی یادیں توڑ دی کہ دروازے کو دستک ہوئی اور الجھنوں میں واپس لوٹا۔الجھنوں کو سُلجھاتے سُلجھاتے نہ جانے نیند کب آئی تھی کہ میں سلجھے الجھے خوابوں کو لے کر نیند سے بیدار ہوا۔خوابوں کی تعبیر کی فکر لئے ہوئے گھڑی پر نظر پڑی کہ نماز عید کا وقت قریب آ پہنچا تھا جس کا مجھے مہینہ بھر سے انتظار تھا۔کچھ دیر بعد عید گاہ کی طرف نماز عید کے لئے جانا نصیب ہوا۔گلیوں میں بچوں کو کھیلتے کودتے دیکھ کر ایک بار پھر بچپن کی یادوں نے مجھے گھیر لیا عید گاہ کے قریب پہونچتے پہونچتے اللہ کی رحمت کا سایہ چاروں اور نظر آیا لوگوں کا ملن دیکھ کر بس یہ حسرت رہی کہ اسی ملن کے ساتھ اگر زندگی کے باقی دن گزرتے تو کیا ہی اچھا ہوتا ۔غم کے کانٹے چبھنے کا نام نہ لیتے بلکہ خوشیوں کی مہک چھا جاتی۔عید نماز سے پہلے جہاں امام صاحب نے فلسفہ عید پر روشنی ڈالی وہیں کسی سماجی کارکن اور سیاست دان نے سماجی مسائل و کوتاہیوں وغیرہ کو اجاگر کیا خصوصاً کشمیر کے مسائل پر بھی بحث چھیڑ دی جن مسائل نے تقریباً نصف صدی سے کشمیریوں کا سکون ہی چھین لیا۔

نماز کے بعد کیا دیکھا کی کوئی خوشیوں میں مگن تھا اور کوئی غموں سے چور دکھائی دیا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ عید آنے سے ان کے زخم تازہ ہوئے تھے خوشی نہیں بلکہ غم بار بار یاد آرہا ہے کوئی ہنس رہا تھا تو کوئی رو رہا تھا۔کسی کا چہرہ کوئی اور دلیل پیش کرتا تھا کوئی قبرستان میں اپنوں کو یاد کرتے کرتے ہوش کھو رہا تھا اور کوئی اپنوں کی جدائی میں مایوس لگ رہا تھا۔کسی پر مقدر مہربان تھی کہ وہ اپنے اپنوں کے ساتھ خوشیاں بانٹ رہا تھا کسی کا دل شاید یہ کہہ رہا تھا۔بقول شاعر:۔

کپڑے پھٹے ہیں جوتے پُرانے
عید آگئی ہے ہم کو رُلانے

میڈیا پر قدغن

سچ، غیر جانبداری اور تحقیق کا نام صحافت ہے جس صحافت یا میڈیا میں سچ، غیر جانبداری یا تحقیق نہ پائی جائے وہ صحافت یا میڈیا نہیں کہلاتی ہے۔ کیا اس کا نام جمہوریت ہے کہ حقیقی صحافت یا میڈیا پر قدغنیں لگائی جائیں؟ یہ سوال اپنی جگہ بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ پوری دنیا کے باشعور لوگوں میں یہ سوال گھر کر چکا ہے کہ کیا وادی کشمیر میں حقیقی جمہوریت کا کہیں وجود ہے؟ بالکل نہیں، اگر حقیقی جمہوریت ہوتی تو میڈیا پر قدغنیں لگتیں نہ معصوموں کا خون بہایا جاتا۔

معاشرے میں صحافت ایک اہم رول نبھاتی ہے ۔ جہاں حکومت اور عوام کے درمیان صحافت ایک پل کی حیثیت رکھتی ہے۔ صحافت جہاں مسائل کو اجاگر کرتی ہے وہیں صحافت زیر زمین پل رہے بڑھتے جرائم کو بھی سر عام ننگا کر کے یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ کیا ہم جس معاشرے میں رہتے ہیں وہاں پر سب کچھ ٹھیک طرح سے چل رہا ہے؟ جہاں دنیا خواب غفلت میں ہوتی ہے وہاں ایک صحافی الجھنوں کی گھتی میں ڈُبکیاں دے کر معاملات سلجھانے کی سوچ رہا ہوتا ہے ایک صحافی اپنا سکون، راتوں کی نیند کو جلا کر، اپنی خوشیاں قربان

کر کے قلم کی نوک کو حرکت دے کر ایک خوشگوار صبح کی فکر میں جمہوریت کے چوتھے ستون کو تھام کر اپنے قوم کے لئے وہ راہ نکال ہی لیتا ہے جس راہ پر قوم کے قدم ڈگمگائے نظر آتے تھے۔ جہاں پر قوم چلنے کو ہچکچاتی نظر آتی ہے وہاں ایک صحافی یا قلمکار ہی رہبری کرتا نظر آتا ہے۔

میرے استاد محترم پروفیسر جاوید احمد قدوس صاحب کا ماننا ہے کہ صحافت مشن کے ساتھ ساتھ ایک جنون بھی ہے۔ پروفیسر صاحب اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ صحافت ایک مشن اور جنون بھی ہے مشن اپنی قوم اپنی سوسائٹی کی معیاری پہچان بنانے کا اور جنون اپنی قوم، ملک اور معاشرہ کی کمزوریوں کو دور کرنے اور خوبیوں کو اُجاگر کر کے عوام کو بیدار، باشعور، اور عملی بنانے کا اُردو صحافت اپنی کمزوریوں کے باوجود کسی نہ کسی حد تک یہ فرق ادا کر رہی ہے۔ آج اردو صحافت بھلے ہی پروفیشن کے اعتبار سے کچھ کمزور ضرور ہے لیکن اردو صحافت میں مشن اور جنون کم نہیں۔

گو کہ صحافی ایک مجنون ہوتا ہے حقائق کو منظر عام پر لانے کا دیوانہ ہوتا ہے۔اس دیوانے کو کوئی روک نہیں سکتا، صحافی غلام نہیں آزاد ہوتا ہے۔اس پر قدغنیں لگانے والا غفلت کی نیند میں ہوتا ہے۔ باشعور نہیں بلکہ بے شعور ہوتا ہے۔طوفان میں ہر ایک اپنی اپنی جان کی فکر میں ہوتا ہے صحافی اپنی جان کی پروا کئے بغیر اپنی قوم کی فکر میں ہوتا ہے۔ایک حقیقی صحافی ایک ساتھ کئی محازوں پر کام کرتا ہے۔ جہاں قوم غفلت میں سوئی ہوتی ہے وہاں ایک صحافی اپنے معاشرے کو سیاسی، سماجی، تہذیبی، عملی و ادبی لحاظ سے قوم کو سنوارنے کی کوشش کرتا ہے جس قوم میں صحافت مضبوط ہو اس قوم کو کوئی پچھاڑ نہیں سکتا۔صحافت ایک فن ہے اسلئے فنکار کو چاہئے کہ ایسی تخلیق کرے جسے قوم یاد کرے۔صحافت تعصب یا جانبداری سے کوسوں دور ہے۔قوم کو چاہئے کہ اپنے صحافی کو آزاد ہی رکھیں غلام بنانے کی کوشش نہ کریں۔اس کے ہاتھ میں وہ قلم تھما دئے جو آزاد ہو، قرض یا مرض میں ڈوبا ہوا نہ ہو۔ کیونکہ اصل صحافی یا میڈیا پیٹ کی فکر میں نہیں، قوم کی فکر میں ہوتا ہے۔قوم کو دوکھے سے بچانے والا ایک ہی ذریعہ ہوتا ہے اور

وہ ہے صحافت یا میڈیا، یہ ووٹ اور نوٹ سے دور ہوتی ہے، صرف ضروریات زندگی چاہتا ہے اس لئے ہمیں اور حکومتی اداروں کو چاہئے کہ صحافتی اداروں کو الجھنوں میں نہ پھسائیں، قرضہ لینے کے لئے مجبور نہ کریں، ان کی آزادی کو چھیننے کی کوشش نہ کریں اور ان کی راہوں میں کانٹے نہ بچھائیں، یہ لوگ قوم وملت کے خیر خواہ ہوتے ہیں۔ صحافی بھی صحافت کی لاج رکھ کر اپنے اندر جذبہ ایثار پیدا کریں اپنے آپ کو قوم کا حقیقی خادم تصور کریں۔ جس میڈیا کے ذریعے قوم میں ملاپ ہو، جذبہ ایثار پیدا ہو، حقیقت کا سبق پڑھنے کو ملے، غفلت کی نیند سے بیدار ہو وہی حقیقی معنوں میں میڈیا کہلائے گی۔ صحافت کا یہ مختصر تعارف اس لئے کرنا پڑا تا کہ صحافت پر قدغنیں لگانے والے غفلت کی نیند سے بیدار ہو جائیں۔

انصاف کون کرے گا!

میرا گاؤں میرے لئے انمول نعمت سے کم نہیں میرے بچپن کی بہت ساری میٹھی یادیں اس کے ساتھ جُڑی ہوئی ہیں اس کے مسائل کواُجاگر کرنا میرا فرض ہے۔جن پیچیدگیوں کا سامنا میرا گاؤں کر رہا ہے۔اسی طرح میرے وطن کے کئی دیگر گاؤں اور شہروں کو کتنے مسائل والجھنیں درپیش ہونگی۔میرا گاؤں ایک دوردراز ضلع کےشروع میں آتا ہے وادی کشمیر میں ضلع کپواڑہ کے تحصیل ہندواڑہ میں میرا گاؤں میدان چوگل تاج کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہمارےاس گاؤں میں شمال کی جانب ایک سرسبز جنگل ہے جو پہاڑی کی شکل میں ہے جس نے ہمارےاس گاؤں کا حسن نکھارا ہےاور جنوب کی جانب ایک ندی دریائے پہرو کے نام سے بہہ رہی ہے۔جس میں ضلع کپواڑہ کے سرسبز پہاڑیوں سے ابلتے چشموں کا میٹھا پانی بہہ رہا ہے لیکن بدقسمتی سے ہم نے قدرت کے اس بیش بہا خزینہ کوآلودہ کرڈالا ہےاور جو کچھ بھی فضلہ وغیرہ ضلع کپواڑہ کے اس مذکورہ نالہ کے کناروں پر بسنے والوں کا نکلتا ہے وہ اس نالہ کے سینے پر ڈالا جاتا ہے۔جس کی وجہ سے یہ پاک پانی کا نالہ گندگی کی نکاس کی ڈرین بن گیا ہے۔جس کی وجہ سے ہزاروں گھروں پر مشتمل بستیاں پینے کے صاف پانی سے محروم ہوگئیں۔ہمارے

اس گاؤں کے مشرق کی طرف سوپور کپواڑہ شاہراہ پر ایک چڑھائی ہے جو وٹائن چڑھائی کے نام سے مشہور ہے اور اس وٹائن کے دونوں طرف سینکڑوں کنال پر مشتمل زمین ہے جو کہ کبھی بادام باغ سے مشہور تھا۔ میدان چوگل کی یہ واحد فرحت بخش جگہ تھی جہاں ہمارے بچے و بوڑھے سیر و تفریح کے لئے جایا کرتے تھے۔ لیکن آج اس زمین پر ایک بڑا آرمی کیمپ ہے جس میں آرمی آفیسروں کا مسکن بنا ہوا ہے اور اس آرمی کیمپ کیساتھ ہی ایک پولیس چوکی بھی ہے۔ ہمارے اس گاؤں کو روز ازل سے ہی مظلومیت کا شکار ہونا پڑا ہے۔ ہمارا گاؤں تقریباً 3 کلومیٹر چکور پر پھیلا ہوا ہے۔ مشرق کی طرف بادام اور میوہ کے باغات ہیں جس سے ہمارے گاؤں کو بہت بڑی آمدنی تھی اور اس کے ساتھ ہی ان میوہ باغات نے ہمارے گاؤں کا حسن دوبالا کیا تھا۔ شمال کی طرف ہزاروں کنال شالی کی کھیتیں تھیں۔ ہمارا گاؤں معاشی لحاظ سے خوشحال تھا پسماندہ نہیں تھا بلکہ ہمارے گاؤں میں سماجیت چھلک رہی تھی ناخواندگی پر بہت حد تک قابو پالیا گیا تھا۔ ہمارے گاؤں میں بہت سارے ڈاکٹرس، انجینئرس، تعلیم یافتہ و قابل اساتذہ، وکلاء، جج، (ایم ایل اے) فارسٹ آفیسرس، قلمکار اور شاعر وغیرہ بڑے بڑے عہدوں پر تعینات تھے اور ہیں۔ ہمارے گاؤں کے مشرق میں مسلم بستی کے ساتھ ساتھ سکھ بستی بھی ہے جو بھائی چارگی کے پرچم کو دو دو ہاتھوں سے تھامے ہوئے ہیں۔ اگرچہ ہمارے گاؤں میں بہت سے غریب لوگ اور پسماندہ بھائی بھی آباد ہیں لیکن ان کے صبر و تحمل اور برداشت و شرافت کی یہ حد ہے کہ کبھی کسی پریشانی وغیرہ پر اُف تک نہیں کرتے اور صبر کا دامن پکڑے ہوئے ہیں اور مصیبت میں خدا کو ہی یاد کرتے ہیں۔ اس شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھا کر ہمارے حکام خاموش تماشائی بن بیٹھے ہیں جیسے کہ ان بیچاروں کو جینے کا حق ہی نہیں۔ بات چل رہی ہے ہمارے گاؤں کے روز ازل سے مظلومیت کی۔ تقریباً 50 سے ساٹھ سال پہلے ہمارے گاؤں کے شکم کے بیچوں بیچ چاک کر کے ایک شاہراہ چھ سے آٹھ فیٹ چوڑائی میں تعمیر کی گئی۔ جو کہ دارالحکومت سرینگر کو کپواڑہ، کرناہ، ٹنگڈار وغیرہ سے ملاتی ہے یہ تو تھی خوش آئندہ بات

لیکن ایک تو زمین اس وقت بلا معاوضہ لی گئی اور جب جب بھی اس سڑک کو وسعت دی گئی تب تب اس سڑک کے کناروں پر مالکان زمین کو کبھی کوئی معاوضہ نہیں دیا گیا اور اگر روی نیو ڈیپارٹمنٹ کا پرانا رکارڑ دیکھا جائے تو شاید ہمارے مالکانہ حقوق اب بھی محفوظ ہوں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ سڑک وشاہراہ کو تعمیر کرنے کا اپنا ایک اصول وضوابط ہے جس کو کبھی بھی اپنایا نہ گیا۔سڑک کا اصول ہے کہ دریا کے کنارے یا جنگل کے دامن سے نکالا جائے لیکن نہ جانے اُس وقت کے حکام کو کیا سوجھی جو کہ اس وقت ہمیں بگتنا پڑتا ہے۔ایک یہ کہ ہمیں اور ہمارے معصوم بچوں کو گاؤں میں رہ کر بھی شہر کی آلودگی کا احساس ہوتا ہے۔بچوں کو اسکول وغیرہ جانے میں سڑک کو کراس (پار) کرنے کی بہت دقت آرہی ہے گاڑیوں کا شور صوتی آلودگی سے کم نہیں ،سڑک کے آس پاس مکانات ہیں جن کی عمر دن بدن گاڑیوں کے چلنے سے کم ہورہی ہے اور خستہ ہونے لگے ہیں اور سڑک حادثات نے بہت سارے لوگوں کی (جس میں معصوم بچے ،بوڑھے ،جوان اور عورتیں شامل ہیں) جانیں لی۔جب کہ ہمارے گاؤں میں دریا بھی تھا اور جنگل بھی۔دریا کے دائیں بائیں کنارے بھی سڑک نکالی جا سکتی تھی اور پہاڑ کے دامن سے بھی۔اگر دریا کے کنارے سڑک کی تعمیر کی جاتی تو اس سے اس دریا کی دیکھ بال، کناروں کی مرمت ، بنڈ وغیرہ حکام کی نظروں میں رہ جاتے جو کہ اس وقت حکام کی نظروں اور ہمارے گاؤں کے نیتاؤں کی نظروں سے اوجھل ہے۔ اس دریا کی خستہ حالی کی وجہ سے ہی ہمارے گاؤں کی حالت بھیانک بنی ہوئی ہے جو کہ آنے والے وقت میں خدانخواستہ اس کا وجود ہی مٹانے والا ہے۔اگر ابھی بھی یہ دریا پہرو حکام کی نظروں سے اوجھل رہا تو صورتحال انتہائی گمبھیر ہے ۔1992ء کا تباہ کن سیلاب ہو یا 2010ء کا تباہ کن سیلاب۔دونوں سیلابوں نے اس گاؤں کے وجود کو ہی ہلا کے رکھ دیا تھا۔1992ء کے سیلاب نے میدان چوگل کی پوری بستی اپنی لپیٹ میں لی اور سینکڑوں مکان تباہ وبرباد ہوئے نتیجہ یہ نکلا کہ بستی والوں نے مجبور ہو کر اس زمین کو خستہ چھوڑ کر اور دریا برد کرنے میں ہی اپنی

عافیت سمجھی اور اپنا مسکن شالی کے کھیتوں میں اور میوہ باغات میں بنانے میں ہی خیر سمجھی جس سے ہمارے گاؤں میں معاشی حالت بہت حد تک بگڑ گئی اور لوگ قانوناً بھی جرم کر بیٹھے کہ شالی کے کھیتوں میں اور میوہ باغات میں رہائش اختیار کرنا جرم ہے اور اپنا ہی نقصان ہے ۔اس طرح ہمارے گاؤں میں نہ باغات رہے نہ شالی کے کھیت ۔کسان بھائی ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھتے ہیں ۔اور چوپائے وغیرہ رسیوں میں باندھ کر خدا کے حضور میں آ ہیں بھرتے ہیں کہ کس بستی میں ہماری تقدیر لکھی گئی ہے ۔اس طرح بے چارے ان حیوانوں (جس میں گائے ،بکریاں ،بیل وغیرہ آتے ہیں) کی بھی بد دعا ہمیں لگی اور آج ہمارے گاؤں میں ان کا نام ونشان مٹنے کو ہے اور اس نالہ کی تباہ کن حالت نے ہمارے معصوم بچوں ونو جوانوں کا بھی حق چھین لیا جو کہ کھیل کے میدان کو اپنے نیچے دبا کر بہہ چلا ۔نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے معصوم بچے ونو جوان گھروں میں ہی محصور ہو چلے جسے ان کی صحت دن بدن بگڑتی چلی جارہی ہے اور ہمارے سماج کا وہ تانا بانا نہ ہونے کے برابر ہے جو ہونا چاہیے تھا اور ساتھ ہی شہر خموشاں کو بھی (جو اس نالہ کے ساتھ ہی ہے) اپنی زد میں لا رہا ہے غرض کہ اگر ہم زندہ لوگوں کا احترام نہ کر سکتے ہیں اور ان کا حق دلانے میں دن بدن ناکام ہوتے چلے آرہے ہیں لیکن ان مردہ لوگوں کا ہم پر حق تھا اور ایک دن جو ہمارا آخری مسکن ہے ہمیں بھی اس شہر خموشاں میں کبھی جانا ہے۔ اس مستقبل کے گھر کیلئے کوشش تو بر حق تھی اور نالہ (دریا پہرو) کا بنڈ دے کر کھدائی کر کے کم از کم اس مستقبل کے گھر کو ہمیں محفوظ رکھنا تھا۔ایسا نہ ہو کہ آخر کار ہمیں اپنے بزرگوں وساتھیوں کی نعشوں کو جگہ نہ ہونے کی بناء پر دریا برد کرنا پڑے ۔بہت حد تک اپنے دماغ پر دباؤ ڈال کر غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے ۔**1920**ء میں ہمارے گاؤں میں ایک پرائمری سطح تک کا اسکول قائم کیا گیا تھا اور **1960**ء میں Up Grade کر کے ہائی اسکول بنایا گیا، پورے علاقہ میں صرف یہ ایک ہائی اسکول تھا۔ دور سے طالبعلم آ کر اپنی علم کی پیاس بجھانے کی کوشش کرتے تھے ۔یہ تو المیہ سے کم نہیں کہ آج ساٹھ (**60**) سال گزر جانے کے باوجود اس مذکورہ بائز ہائی اسکول چوگل کو UpGrade نہیں کیا گیا۔راقم

نے جب مذکورہ ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب سے ملاقات کی تو مذکورہ ہیڈ ماسٹر نے بہت سارے مشکلات بیان کئے خاص کر اس ہائی اسکول میں بیت الخلاء کی بہت مشکلات ہے جو کہ طالبعلموں اور اساتذہ کرام وغیرہ کے لئے بہت ہی پریشان کن ہے۔ بلاک سطح پر ایک بار بیت الخلاء تعمیر کیا گیا تھا لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ اسکول ہذا دریا پیہرو کے کنارے پر واقع ہے۔ ہر سال بدترین سطح پر دریا پیہرو کا سیلاب اسکول کو گھیر لیتا ہے۔ سیلاب کی نظر یہ بیت الخلاء بھی پہلے ہی سال ہوا۔ تب سے آج تک انتظامیہ نے یہ گوارا نہ کیا کہ ہائی اسکول کی دوسری منزل پر ایک باتھ روم تعمیر کراتے۔ یہ مذکورہ اسکول ساٹھ سال گزر جانے کے باوجود ابھی تک دیوار بندی کے بغیر ہے۔ مذکورہ ہیڈ ماسٹر نے راقم کے ساتھ گفتگو کے دوران کہا کہ انتظامیہ کو بہت دفعہ دیوار بندی کے لئے عرض داشت دی تھی لیکن بے سود اس دریا پیہرو کے کنارے ہمارے گاؤں کے تین اسکول (بائز ہائی اسکول، گرلز ہائی اسکول اور ایک پرائیویٹ مڈل اسکول) قائم ہے۔ ہر سال اس دریا پیہرو کو جب سیلاب آتا ہے تو یہ تینوں اسکولوں کو گھیر لیتا ہے اور کم از کم بچوں کا ایک ایک مہینہ تعلیم کا ضائع ہوتا ہے۔ ہمارے اس گاؤں میں گندے پانی کے نکاس کے لئے بالکل انتظام نہیں ہے گاؤں میں 2012ء میں پہلی دفعہ نالیاں کھودی گئی تھی جن کو ادھورا چھوڑ دیا گیا۔ سڑک کے دونوں اطراف آج سے تین سال قبل نالیاں کھودی گئیں لیکن انہیں بھی ادھورا چھوڑا گیا اور گندے پانی کے نکاس کے لئے اس ڈرین کو کہیں مکمل نہ کیا گیا۔ ان نالیوں میں گندہ پانی اور کوڑا کرکٹ کے جمع ہونے سے بدبو پھیلتی ہے اسکا کوئی پرسان حال نہیں۔ ہمارے گاؤں چوگل اور میدان چوگل کو نالہ پیہرو نے دو پھاڑ کر ڈالا ہے اس وقت اگرچہ پوری دنیا میں پلوں کا جال بچھا ہوا ہے لیکن ہمارے اس گاؤں کی مظلومیت کا یہ حال ہے کہ تقریباً 35 سال کے بعد ایک پل تیار کیا گیا وہ بھی ادھورا اور رابطہ سڑک بالکل خستہ ہے اور جب اس نالہ میں معمولی سا سیلاب وغیرہ آتا ہے تو چوگل اور میدان چوگل کا رابطہ بالکل کئی کئی دنوں تک منقطع رہتا ہے۔

کاش صدیوں سے خواب غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو کوئی جگاتا تو کیا ہی اچھا ہوتا۔

بچوں کا ہسپتال لمحہ فکریہ!

ماضی قریب میں جی بی پنتھ ہسپتال سرخیوں میں رہا تھا کہ جی پی پنتھ (بچوں کا ہسپتال) بچوں کیلئے موت کا گھر بن چکا ہے۔ یہاں پر کوئی نظم ونسق نہیں نہ بچوں کی تسلی بخش نگہہ داشت کی جاتی ہے۔لوگ سہم گئے تھے کہ بچوں کے اس واحد ہسپتال میں بیمار بچوں کو لے جانے میں خیر نہیں ۔میڈیا کا تو ہمیں شکر گزار رہنا چاہیے جس نے حکومت اور لوگوں تک جی۔ بی پنتھ ہسپتال کی غفلت شعاری پہنچا کر حکومت کی نیند حرام کر دی۔حکومت فوراً حرکت میں آ گئی اور اس ہسپتال کی طرف پورا پورا دھیان دینا شروع کر دیا۔ مذکورہ ہسپتال کے پورے اسٹاف کو حرکت میں لایا اور ہسپتال کے سپرانٹنڈنٹ کو بھی تبدیل کر کے اس کی جگہ دوسرا سپرانٹنڈنٹ متعین کر دیا۔ جو ظاہراً ایماندار اور باوقار لگتا ہے۔اس ہسپتال میں جہاں صفائی کا فقدان تھا وہاں صفائی ستھرائی کا خیال رکھا جانے لگا بچوں کی نگہہ داشت کے لئے سخت نوٹس لی گئی کچھ دنوں کے لئے صورتحال میں نمایاں تبدیلی دیکھنے کو ملی۔

(۱) کیا حکومت آج بھی ایمانداری کے ساتھ اس مذکورہ ہسپتال کی دیکھ ریکھ کر رہی ہے؟

(۲) کیا میڈیا آج بھی اس ہسپتال کے اندر جھانک کر اپنی پیشہ وارانہ ذمہ داریاں نبھا رہا ہے؟

(میڈیا کو چاہیے کہ بھیس بدل کر کسی بھی ادارہ وغیرہ کے اندر جھانک کر اپنی پیشہ وارانہ ذمہ داریاں نبھائیں)۔

(۳) کیا اس ہسپتال کے سینئر ڈاکٹرس اپنا فرض انجام دے رہے ہیں؟

(۴) کیا اس اہسپتال کا سپرانٹنڈنٹ بیماروں اور تیمارداروں کے دکھ درد میں شامل ہوتا ہے؟

(۵) کیا صفائی اسی کو کہتے ہیں کہ فرش کی صفائی ہو اور دیواروں، کھڑکیوں وغیرہ پر دھول یا گرد جمی رہے؟ یا یہ صرف چندروز کے لئے دکھاوا تھا۔ اس ضمن میں چند سوالات غور طلب ہیں کچھ معاملات ایسے ہیں جو دیکھ کر ہی سمجھ آجاتے ہیں پڑھ کر نہیں۔

اس کو خوش قسمتی سمجھ لیجئے یا بد قسمتی کہ اتفاقاً راقم کو بھی اس ہسپتال سے پالا پڑا راقم کی بچی بیمار ہوئی اور ڈاکٹروں نے اس کو جی پی پنتھ ہسپتال ریفر کیا اور یوں اس ہسپتال اور اس کے نظم و نسق کو قریب سے دیکھنے کا موقع مل گیا۔ ابتداء میں میری بیٹی کو ایمرجنسی وارڈ میں داخل کیا گیا اور جو ڈاکٹر صاحبان وہاں پر تعینات تھے انہوں نے اپنی صلاحیت کے مطابق تسلی بخش علاج شروع کر دیا۔ نرسوں نے دل جمعی سے دیکھ ریکھ کی خاص کر وارڈ نمبر 3 میں جو Sister دن کی ڈیوٹی پر مامور پروینہ بانڈے اس کے تو ہم بہت مشکور ہیں اس کی محنت، بیمار کے ساتھ الفت، دل لگی، وقت کی پابندی، خلوص نیت تو قابل داد ہے۔ جن ڈاکٹر صاحبان کو میں اکثر دیکھ رہا تھا، محنتی نظر آئے تھے، دل جمعی سے کام میں جڑے تھے اپنی بھرپور صلاحیت کے مطابق کام کر رہے تھے۔ عمر سے چھوٹے تھے لیکن باوقار تھے۔ جونیئر تھے لیکن سیکھنے کا شوق تھا۔ سینئر ڈاکٹرس کبھی کبھار ہی دیکھنے کو ملتے تھے۔ راونڈ میں جب سینئر ڈاکٹروں کا دیدار نصیب ہوتا تھا تو اس وقت ان کے ساتھ پوری فوج جیسی ہوتی تھی، کوئی ڈنڈا لے کر اندر سے بھگاتا تھا، تو کوئی تیمارداروں کو باہر سے اندر داخل نہیں ہونے دیتا۔ بیمار بچوں کے ساتھ اکثر تیمارداری کیلئے ماں ہی ہوتی ہے۔ جو اپنے حقوق سے بے خبر ہوتی ہے اس کو یہ شعور نہیں ہوتا کہ میں اپنے بچے کی بیماری کی حقیقت سے واقف ہو جاؤں نہ وہ یہ سوال کرنے کی جرات ہی

کرتی ہے۔اگر کوئی تیماردار اپنے بیمار کے بیماری کے بارے میں جاننا چاہتا ہے تو اس کو تسلی بخش جواب نہیں دیا جاتا۔اکثر ڈاکٹر صاحبان کسی نہ کسی دوڑ میں مشغول دکھائی دیتے ہیں۔

اگر کوئی تیماردار یہ چاہے کہ میں کسی سینئر ڈاکٹر صاحب سے کوئی بات پوچھوں تو ڈاکٹر صاحب کو ڈھونڈنے میں گھنٹوں لگ جاتے ہیں۔پھر کہیں اپنے دفتر میں فون پہ مشغول ملتا ہے یا لیپ ٹاپ پر، یا کہیں کمرے میں دوستوں کیساتھ گپ شپ کرنے میں ملتا ہے یا جب تیماردار دفتر کے دروازے پر دستک دیتا ہے تو سینئر ڈاکٹر...... فوراً اپنی کرسی پر کھڑا اُٹھ کر ڈانٹ پلاتا ہے کہ میں آفس کے کام میں مشغول ہوں یہاں کیوں آئے۔مشاہدے میں آیا ہے کہ اثر ورسوخ والوں کی تو بہت خوش آمدید ہوتی ہے۔غریبوں اور گم ناموں کا خدا ہی حافظ۔اثر ورسوخ والوں کے اردگرد ڈاکٹر کیا سب لوگ گھومتے ہیں۔اس دوران جو ایام راقم نے ہسپتال میں گزارے ایک دن دیکھا کہ لوگ ہسپتال کے صحن میں کسی شخص کے سامنے اپنے داد بداد کہتے ہیں میں بھی ذرا نزدیک گیا اور کسی شخص کو پوچھا کہ یہ کون ہے؟ جواب ملا کہ ADC ہے ڈپٹی کمشنر اور یہ ہسپتال کی چیکنگ کیلئے آیا ہے تو میں بھی ان کے پیچھے چل دیا۔دیکھا کہ ہسپتال کے ملازموں میں اتھل پتھل جیسی ہوگئی جو مجھے کبھی نظر نہ آیا تھا وہ نظر آنے لگا۔جہاں کبھی صفائی نہیں دیکھی تھی وہاں صفائی کرتے ہوئے آدمی نظر آ گئے۔جہاں پر ملازم کاہلی کرتا ہوا نظر آ رہا تھا وہاں پر آج وہ پھرتیلا دکھ رہا تھا۔لوگ داد بداد سنا رہے تھے۔لوگوں (بیمار و تیماردار) کے چہرے سے ایسا لگ رہا تھا کہ:

اُن کے دیکھنے سے آتی ہے جو منہ پہ رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے (غالب)

مذکورہ چیکنگ آفیسر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جو کسی بھی غفلت میں پایا جائے گا اس کیخلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔تیمارداروں کی شکایت تھی کہ یہاں پر صفائی کا فقدان ہے اور وقت پر وارڈوں میں کوئی ڈاکٹر میسر نہیں ہوتا۔سوائے صبح 10 بجے کے راؤنڈ پر اور ایمر

جنسی میں زیادتر جونیئر ڈاکٹرس ہی نظر آتے ہیں ۔جواب میں انچارج ڈاکٹر نے چیکنگ آفیسر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ وارڈ میں کسی سینئر ڈاکٹر کی ضرورت نہیں ہے اگر وارڈ میں کوئی ایمر جنسی ہوتو مریض کو ایمر جنسی میں لایا جاتا ہے جہاں پر ہر قسم کا انتظام ہے۔فریاد کرنے والے بالآخر ادھر اُدھر چلے گئے تو مذکورہ چیکنگ آفیسر ہسپتال کے انچارج ڈاکٹر جو کہ عورت تھی اور اس کیساتھ کئی اور ملازم تھے کے ساتھ OPD کی جانب چل دئے میں بھی پیچھے پیچھے چل دیا اور جب OPD تک پہنچ گئے تو انچارج ڈاکٹر اور چیکنگ آفیسر محو گفتگو ہو گئے اور انچارج ڈاکٹر چیکنگ آفیسر کے سوالوں کے جواب دیتی تھی اور آمادہ کرنے کی کوشش کرتی تھی ۔اسی دن کیا دیکھا کہ مذکورہ ہسپتال کا سپرانٹنڈنٹ حرکت میں آ گیا پولیس اور اسٹاف کے ساتھ چل کر تیور اتنے بدلے تھے کہ ان کو اب بیمار کے ساتھ تیماردار نظر نہیں آتا تھا۔سبوں کو جو ہاتھ آتا تھا ہسپتال کے باہر بھگانا شروع کیا۔

دوسری رات تقریباً نو بجے راقم نے ہسپتال میں کچھ اتھل پتھل دیکھی تو جاننے پر پتہ چلا کہ مذکورہ ہسپتال کا سپرانٹنڈنٹ وارڈوں کی چیکنگ کررہا ہے کہ کہیں ایک بیمار کے ساتھ دو دو تیماردار تو نہیں ۔جہاں پر دو تیماردار نظر آتے تھے ان کو ہسپتال کے باہر دھکیل دیتے تھے۔ہسپتال کے باہر ایک دیواری بورڈ پر بھی نظر پڑی کہ عدالت عالیہ کا حکم ہے کہ ایک بیمار کے ساتھ صرف ایک تیماردار ہو۔ویسے تو یہ خوش آئندہ بات ہے لیکن کچھ ذی حس لوگوں کا کہنا ہے کہ بچے کے ساتھ تیمارداری کے لئے ماں ہوتی ہے لیکن ماں بہت ساری باتوں سے ناواقف ہوتی ہے اور ایک عورت کے ساتھ مرد کا رہنا ضروری ہے تا کہ بازار جانے میں، دوائی لانے میں، ٹیسٹ کروانے (وغیرہ وغیرہ) میں انکو مدد ملے۔

ہسپتال کے اندر وہ انتظام نہیں کہ ایک بیمار کے لئے ہسپتال کا انتظامیہ ہی وہ سب کچھ کرئے جو ایک تیماردار کو کرنا ہے ۔ایک عورت نے یہ کہا کہ یہ تو تھی خوش آئندہ بات کہ سپرانٹنڈنٹ صاحب نے اس بھیڑ بھاڑ کو کم کردیا لیکن آپ دیکھئے کہ وارڈ میں صرف ایک

Sister موجود ہے۔وارڈ میں ڈاکٹرس روم ہے لیکن ڈاکٹر نہیں۔کیا یہ ایک Sister وہ سب کچھ کرسکتی ہے جو ایک مرد تیماردار کرسکتا ہے۔صبح دس بجے راؤنڈ کے بعد وارڈ میں کوئی ڈاکٹر نظر نہیں آتا ان کو ڈھونڈنا پڑتا ہے جو ایک مرد ہی کرسکتا ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ جن تیمارداروں کو باہر دھکیل دیا ان کے لئے باہر صحن میں جو شلٹر بنادیا ہے وہ کافی ہے کہ نہیں خاص کر سردیوں کے موسم میں وہ شلٹر کسی کام کا نہیں اور ہسپتال میں ایک کمرہ ضروری ہونا چاہیے تھا جہاں پر تیماردار اپنی ضروریات کا سامان کمبل وغیرہ رکھ سکتا تھا اگر چہ ہمیں اس کے لئے کرایا بھی دینا پڑتا۔کچھ ذی حس تیمارداروں نے کہا کہ سپرانٹنڈنٹ صاحب جو اپنی صلاحیت کو اس پر صرف کررہا ہے جس کے لئے انتظامیہ کے دوسرے افراد بھی کافی تھے۔سپریڈنٹ صاحب کو چاہیے تھا کہ بیمار یا تیمار دار کی فریاد سنے غیض وغضب کسی بھی طور مناسب نہیں۔ڈاکٹر صاحبان یا سپرانٹنڈنٹ کو غصہ زیب نہیں دیتا کبھی تیماردار خوف کے مارے بیمار ہو جاتے ہیں اور بیمار خوف کے مارے گھر جانے میں ہی اپنی خیر سمجھتے۔ایک دن کچھ ایسا ہوا۔10 اور 11 اکتوبر 2012 کی درمیانی رات کو اچانک چیخنے چلانے کی آوازیں آئیں اچانک بیمار و تیماردار اٹھ کھڑے ہوئے تو کیا دیکھا کہ دو عورتیں Ward NO4 کے باہر اپنا سینہ پیٹ رہی تھیں ان کے ساتھ کوئی مرد نہیں تھا۔ان کے مردوں نے رات کو غیض وغضب سے بچنے کے لئے گھر جانے کو ہی ترجیح دی تھی کیونکہ اجازت ہے بیمار کے ساتھ ایک ہی تیماردار کو بچے کیساتھ ماں ہی جچتی ہے۔

رات کے ایک بجے Ward No4 کے ڈاکٹروں نے ماں کو بچے کی لاش سپرد کر دی۔غم سے نڈھال ماں لاش کو اپنی گود میں لئے پاگلوں کی طرح چیختی چلاتی ادھر اُدھر کرتی ہوئی نہ وہ کسی کی بات سنتی تھی نہ کسی کو اپنی بات کہنے کی سکت تھی۔ہسپتال میں تیمارداروں کی بھیڑ اس غم سے نڈھال ماں کے اردگرد جمع ہوئی نہ ہسپتال کی انتظامیہ نے اس بچے کی لاش کو رات کے لئے اپنے پاس رکھ دیا نہ اس غم سے نڈھال ماں کے لئے آدھی رات کے وقت گھر جانے کے

لئے ایمبولینس کا انتظام کیا نہ انتظامیہ کا کوئی فرد اس ماں کے سامنے آیا۔ جس کی گود میں بچے کی لاش تھی۔ تیماردار جمع ہو کر احتجاج کرنے لگے لیکن رات کے اندھیرے میں ان کی کون سنتا ۔ تیماردار ایمرجنسی میں آئے جہاں پر ڈاکٹر عمران ڈیوٹی پر موجود تھا تیمارداروں نے ان کو ماجرا سنایا اور پوچھا کہ آپ کی انتظامیہ اس آدھی رات کو اس ماں کے لئے کیا کر رہی ہے جو بچے کی لاش کو اپنی گود میں لیتے ہوئے چیختی چلاتی ہے۔ ہسپتال میں سارے بیمار و تیماردار دم بخود ہوئے۔ ان کو جو ذہنی کوفت ہوئی شاید کہ ہسپتال کی انتظامیہ اسکا معاوضہ دے پائے گی۔ ڈاکٹر عمران نے نفی میں سر ہلایا اور کہا کہ ہسپتال میں صرف ایک ایمبولینس موجود ہے جو ہم اس لاش کو گھر جانے کے لئے نہیں دے سکتے ہیں۔ بالآخر تیمارداروں نے اس غم سے نڈھال ماں کو جس کے گود میں بچے کی لاش تھی بہلا پھسلا کر فون نمبر مانگا اور اس کے گھر رات کے دو بجے پلوامہ فون کیا جہاں سے رات کے سوا تین بجے اس غم سے نڈھال ماں کے والی آئے اور اس ماں اور بچے کی لاش کو اپنے ساتھ لے چل دئے۔ اس ماں پر جو اپنے بچے کی لاش گود میں لیتے ہوئے کیا گزری ہوگی اس کے لئے الفاظ لانا بہت کٹھن ہے اور اس رات کو جو بیماروں اور تیمارداروں کو ذہنی کوفت ہوئی ہوگی شاید کہ اس کا کوئی معاوضہ دے سکے۔ ایک تیماردار نے کہا کہ ڈاکٹروں نے اس کو بازار سے کچھ دوائیوں سمت ایک انجکشن (Meropenem Meroza (500mg انجکشن جس کا MRP تھا 1400.35 لانے کو کہا جب تیماردار نے اس کی قیمت ادا کر کے لایا جو اس کو ایک نہیں بلکہ کئی دن مسلسل بیمار کے لئے لانا تھا۔ تب کہیں کسی دوست نے اس کو کہا کہ آپ اتنی رقم کہاں ادا کر سکو گے۔ اگر آپ سفارش لاؤ گے تو بازار میں اسی دکان سے یہی انجکشن 1400 کے بجائے پانچ سو میں پڑے گا تب اس مذکورہ تیماردار نے سفارش لا کر اسی دکان سے اسی انجکشن کو 1400 کے بجائے 500 میں خریدا جس کے پاس سفارش نہ ہو غریب اور لاچار ہو اس کا کیا حال ہوگا جس کی طرف پوری توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

تیمارداروں کی جو غفلت شعاری دیکھی وہ ہے گندگی ڈالنا تیمارداروں میں کھانے پینے کا سلیقہ نہیں دیکھا۔ صفائی سے ہی انسان پہچانا جاتا ہے جو ہمارے تیمارداروں میں نظر نہیں آیا۔ تیمارداروں کو چاہیے تھا کہ فرش پر گندگی نہ ڈالیں کوڑا دان کا استعمال کریں۔ صفائی پر مامور عملہ کو چاہیے کہ فرش کیساتھ ساتھ دیوار، کھڑکیوں اور ہسپتال کے بیچ والے حصے کو بھی دیکھے جہاں دھول و گندگی کے انبار پڑے ہوئے ہیں۔ صفائی پر مامور عملہ جو وارڑوں میں تعینات ہوتا ہے چاہیے کہ Discharge ہوئے مریضوں کے تیمارداروں کو دو سو یا تین سو کی مانگ سے پرہیز کریں کیونکہ اسے ہسپتال کا پورا عملہ بدنام ہوتا ہے۔

غصہ علامتِ کم ظرفی

متقی وہ لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ کو روکتے ہیں (القرآن)
فرمایا رسول پاک ﷺ نے بے شک خدا کا سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو سخت جھگڑالو ہو۔غصہ پر قابو کرنا بہت بڑی عقلمندی ہے۔دانا عقلمند اور عالم اسی کو کہیں گے جس نے اپنے غصہ پر قابو پالیا۔کیا فائدہ ہے ان تعلیم یافتوں کا جو اپنے غصہ پر قابو نہ پاسکیں۔ایک شریر یا غصہ کرنے والا چاہتا ہے کہ ہر ایک فرد میرے اشاروں پر چلے میرا مان لیا کریں مگر یہ ناممکن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو مختلف جذبات ،احساسات ،ہنر وقابلیت سے نوازا ہے ۔ہر ایک انسان دوسرے انسان سے مختلف ہے۔کوئی بھی انسان اس دنیا میں مکمل نہیں دنیا کا کوئی شخص جاہل بھی نہیں ہر شخص سے کچھ نہ کچھ سیکھا جا سکتا ہے ہر ایک انسان کے اپنے اپنے اور الگ الگ جذبات،سوچ،احساسات ،قابلیت ،کردار ،علم وفن اور تجربات ہوتے ہیں ۔ان کی قدر کرنا ہمارا حق بنتا ہے۔غصہ کرنے والوں کے ساتھ غصے سے پیش آنا اخلاقی جرم ہے۔جاہلانہ انداز سے بات کرنے والوں کے ساتھ جاہلانہ انداز میں پیش آنا عقلمندی نہیں بلکہ کم ظرفی ہے۔بے شک انسان عظیم نہیں بلکہ انسان کے کردار انسان کو عظیم بناتے ہیں ۔ہر انسان اپنے ہاتھ کی

انگلیوں کے مانند ہے ہاتھ کی ہر ایک انگلی قیمتی ہے، لیکن ہاتھ کی ہر ایک انگلی دوسری انگلی کے بناء ادھوری ہے۔ غصے کے بغیر پیار و محبت سے رہ کر ایک انسان کامیاب اور غالب ہے۔ جذبات کو قابو میں نہ رکھنے والا بدمزاج انسان ناکام اور مغلوب ہے۔ ایک انسان کا ہر ایک عضو بڑی ندامت سے زبان کو یہ کہہ دیتے ہیں کہ اے زبان صبح کا نورانی وقت آ گیا ہم سب نے خدا کا شکر بجالایا اب مہربانی کر کے خاموشی سے اپنے کام میں لگن کیساتھ لگے رہنا ایسا نہ ہو کہ آپ کسی انسان پر ایسا برسو گے یا غصہ کرو گے ایک تو حقوق العباد ادا نہیں ہونگے دوسرا غلطی آپ کرو گے اور بھگتنا ہمیں پڑے گا۔ رسوائی چہرے کی ہوگی اور پٹائی جسم کی۔ فرمایا یا رسول اللہ ﷺ نے جو خاموش رہا وہ بچ گیا۔ بے شک خاموشی حکمت کا قلعہ، جاہلوں کا جواب، حکمتوں کا مخزن، حاکموں کا دبدبہ اور بغیر ہتھیار کے فتح یابی ہے۔ ایک پڑھے لکھے آدمی کے شایان شان یہ نہیں کہ وہ غصہ کرے۔ ان ڈگریوں کا کیا مقصد جس نے انسان کو نہیں پہچانا، جس نے انسان کی قدر نہ کی، اس انسان کے پڑھنے کا کیا مقصد جس نے چہرہ پڑھنا نہ سیکھا، کسی کے احساس اور جذبات کی قدر کرنا نہ سیکھی۔ کیا مقصد اس تعلیم کا جس نے یہ نہ سیکھا کہ ہم سب سماج کے بغیر ادھورے ہیں۔ تعلیم حاصل کرنے کا مقصد ہے اپنے آپ میں بدلاؤ لانا، اچھے اور برے میں تمیز کرنا، اچھے عادتوں کو اپنے آپ میں بسانا اور بری عادتوں سے چھٹکارا پانا، بے شک عادت پر غالب آنا کمال فضیلت ہے اور اصل کمال علم اور عمل دونوں کو جمع کرنے میں ہے دوسروں سے محبت کرنا اور ان کے لئے جینا ہی اصلی زندگی ہے۔

غصہ عقل کو کھا جاتا ہے۔ آنکھوں کو اندھا بناتا ہے۔ غصہ کرنا برائیوں کی جڑ اور دشمنی کی شروعات ہے۔ غصہ اپنوں سے دور رکھتا ہے اور دوستوں کی تعداد میں کمی لاتا ہے جبکہ سچا دوست دو جسموں میں ایک روح کی طرح ہوتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ ہر نئی چیز اچھی معلوم ہوتی ہے لیکن دوستی جتنی بھی پرانی ہو اتنی ہی عمدہ اور مضبوط ہوتی ہے وہ آدمی کبھی تنہا نہیں ہوسکتا جس سے ایک پرخلوص دوست میسر ہو۔ بے شک انسان اپنے الفاظ سے نہیں، اپنی خوش

گفتاری سے دوسروں کا دل جیت لیتا ہے۔ایک انسان کو اگر پوری دنیا کے لوگ دوست ہوں مگر پھر بھی خوشی کے لئے کم ہے کیونکہ خوشی ایک وسیع چیز ہے۔دشمن اگر معمولی بھی ہو عمر بھر رُلانے کے لئے کافی ہے غصہ کرنے والا کم ظرف اور تنگ نظر ہوتا ہے۔تعلیم کا یہ مقصد نہیں کہ اوروں پر دباؤ بنائے رکھے اپنے آپ کو حاکم اور دوسروں کو غلام سمجھے۔تعلیم یافتہ انسان قوم کا خادم ہوتا ہے تعلیم کا یہ مقصد نہیں کہ ہم کسی کا حق چھین لیں۔تعلیم یافتہ جوان کی نظر وسیع ہونی چاہیے قول اور فعل ایک ہونا چاہیے اگر چہ غصہ ایک فطری عمل ہے لیکن خوب سیرت انسان کا غصہ بھی خوبصورت ہونا چاہیے اس میں جاہلانہ پن نظر نہیں آنا چاہیے۔غصہ پر جلد قابو پانا علم کی نشانیوں میں ایک نشانی ہے۔غصے میں شدت نہیں ہونی چاہیے کیونکہ شدت سے غم پیدا ہوتا ہے ۔بے شک تلوار کا وار جسم کو زخمی کرتا ہے اور زبان کا وار روح کو گھائل کر دیتا ہے۔فرمایا رسول پاک ﷺ نے جو شخص اپنے غصہ کو روک لے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنا عذاب اس سے روک لیں گے۔ہماری زندگی تب ہی بدل جائے گی اور ہماری زندگی تب ہی غموں سے دور رہے گی جب ہم ہر شخص کو اچھا کہہ کر اچھا بننے کا موقع دیں کبھی یہ نہ دیکھیں گے کہ کون ہمارا دوست ہے بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ ہم کس کے دوست ہیں کسی کی ہمدردی اور محبت کا طلب گار نہیں بننا ہے بلکہ خود کو دوسروں کا ہمدرد بن کر دکھانا ہے۔بے شک خوبصورتی کپڑوں سے نہیں علم وادب سے ہوتی ہے۔حضرت عمرؓ کا قول ہے تین چیزیں دوستی کو مستحکم کرتی ہیں۔سلام میں پہل ،دوست کو اچھے نام سے پکارنا اور دوست کو اچھی محفل میں جگہ دینا۔زندگی بہت محدود ہے۔انسان کو چاہیے کہ اپنی اس محدود زندگی کو خوش وخرم بنائے غصہ پر قابو نہ پانے سے انسان کی زندگی اجیرن بن جاتی ہے۔ہمیں جانوروں اور پرندوں سے مل کے رہنے کا سبق سیکھنا چاہیے۔درختوں کے پتوں سے مل کے رہنے کا ہم سبق سیکھ سکتے ہیں۔کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

پیڑ کے پتوں سے سیکھو مل کے رہنے کا سبق
اِک پتہ توڑنے سے ہل گئیں شاخیں تمام

بدمزاج انسان محبت سے دور رہتا ہے۔خوش مزاج انسان ہر ایک کی محبت پاتا ہے اور غموں سے دور رہ کر زندگی کا اصلی مزہ پالیتا ہے۔حضرت موسیٰؑ کو جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبری عطا کی تو حضرت موسی نے اللہ سے پانچ حاجتیں مانگیں ۔جن میں ایک حاجت یہ بھی تھی کہ میرے مزاج کو دھیما کر دے تاکہ مجھے جلدی غصہ نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ پانچوں حاجتیں پوری کر دیں اور حکم دیا کہ اب فرعون کے پاس پہنچ کر اس کو سیدھے راستے پر لانے کی کوشش کرو۔کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے؎

مرے بچوں پہ تو اپنا کرم کر دے
تمدن کھو چکے ہیں گستاخ ہو کر

غصہ کے غالب آنے پر خاموشی اختیار کرنی چاہیے۔بے شک خاموشی دل کا سکون اور روح کے لئے وہی درجہ رکھتی ہے جو جسم کے لئے نیند۔

وادی میں کتوں کی ہڑ بونگ

وادی کشمیر اب کتوں ں کا شہر جیسا دکھائی دیتا ہے ہر جگہ صرف کتے نظر آتے ہیں۔ ان کی دہشت اب اس طرح دل میں بیٹھ گئی ہے کہ کوئی بھی فرد صبح ہو یا شام اکیلے نکلنے میں عافیت نہیں سمجھتا۔ بلکہ کسی اور کو ضرور ساتھ لے کر نکلتا ہے یا ڈنڈا وغیرہ ہاتھ میں رکھ کر باہر نکلتا ہے۔ ہر فرد کو بس یہی فکر ہے کہ کس طرح ان سے نجات ملے بچوں کا گھر سے نکلنا اب دشوار بن گیا۔ جب تک بچے اسکول وغیرہ سے واپس آتے ہیں گھر کا ہر فرد انہی بچوں کی فکر میں لگا ہوا ہوتا ہے کہ کہیں کتے کاٹ نہ کھائیں۔ یہ صورتحال اب عذاب سے کم نہیں اب تو کتوں کی طرف انسان دیکھ بھی نہیں سکتا ہے مارنے بھگانے کی تو بات ہی نہیں کیونکہ ان کو قانونی تحفظ حاصل ہے۔ جہاں بھی نظر دوڑائی جاتی ہے بس کتے ہی کتے نظر آتے ہیں ہر فرد بس یہی سوال کرتا ہے کہ یہ کتے کہاں سے آتے ہیں۔ آج اگر کسی جگہ گاؤں میں 10 کتے نظر آتے ہیں تو دوسرے یا تیسرے دن اسی جگہ پچاسوں نظر آئیں گے۔ آخر یہ کتے آتے کہاں سے ہیں۔ کہیں یہ بیرون ریاست سے درآمد تو نہیں ہوتے! یہ سوال اپنی جگہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ راقم کے ساتھ ایک خاتون نے گفتگو کے دوران کہا کہ ہمارے صحن میں تقریباً ہر روز پچاسوں کتے

دہشت مچاتے ہیں اور جب یہ کتے دیوار کے اوپر سے چھلانگیں مارتے ہیں تو بچے سہم جاتے ہیں اور کہتے ہیں شیر نے چھلانگ ماری ہمارے بچوں نے اب ان کے الگ الگ نام رکھے ہیں ۔ یہ اتنے فربہہ ہوتے ہیں لگتا ہے کہ یہ شیر کو بھی کھا جائیں گے ۔ اب ہماری وادی میں کتوں کی ایسی دہشت بیٹھ گئی ہے کہ گاڑی میں سوار بچے بس ان ہی کو دیکھتے اور گنتے رہتے ہیں ۔ ایک دفعہ راقم بس میں سوار تھا اور کچھ بچے سیٹ پر اپنے والدین کیساتھ بس میں کتوں کی گفتگو ایسے کرتے جارہے تھے کہ جیسے چلتی گاڑی میں بھی کتے ان کے تعاقب میں ہوں ۔ ایک بچے کو میں نے مخاطب ہو کر کہا آپ کیا گن رہے ہو اس نے جواب میں کہا ہم کتے گن رہے ہیں ۔ ہم کچھ ہی کلومیٹر چلے سڑک کے کنارے، کھیتوں اور باغوں میں اتنے کتے نظر آئے کہ اُن کی گنتی 100 تک آ گئی جب سوپور بس سٹینڈ پہنچے تو وہاں پر کتوں کا ریوڑ دیکھ کر کہا بس اب خدا حافظ ۔ اب انسانوں سے زیادہ کتوں کی تعداد لگتی ہے ۔ بس یہی ایک سوال ہر ایک کی زبان پر ہے کہ یہ کہاں سے آتے ہیں کہیں بیرون ریاست سے درآمد تو نہیں ہوتے ہیں ۔

اخباری خبر کے مطابق ایک ہی دن میں کتوں نے 51 افراد کو زخمی کر دیا جس میں زیادہ تعداد بچوں اور عورتوں کی تھی ۔ یہ تو صرف وہ زخمی ہیں جو میڈیا کی نظروں میں آئے اور ان کی گنتی ہو گئی ورنہ ایسے دور دراز علاقوں میں جہاں میڈیا کی نظر نہیں، یہ صورت حال اور بھی زیادہ تشویشناک ہے ۔ کچھ ہی دنوں کی بات ہے جب ایک غریب خاتون کو کتوں نے کاٹا اور پھر اس کو انٹی ریبیز کا پورا کورس بھی ہسپتال سے نہیں ملا بالآخر اس غریب خاتون نے قرضہ لے کر مارکیٹ سے بھاری قیمت ادا کر کے انٹی ریبیز انجکشن خریدے ۔ کتوں کی یہ ہڑبونگ کسی المیہ سے کم نہیں ۔

حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ جس گھر میں کتا اور تصویر ہو اس گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے ۔ اگر چہ گندگی اور غلاظت کو دور کرنے میں کتوں کا ایک اہم رول ہے ۔ لیکن ان کی تعداد وادی میں حد سے تجاوز کر گئی ۔ کچھ لوگوں کی تجویز تھی کہ اگر ان کتوں کو جنگلوں کی

طرف دھکیل دیا جائے تو ایک طرف جنگلی جانوروں کو غذا مل جائیگی دوسری طرف ہمارے جنگل سمگلروں ں کے نقصان سے بچ جائیں گے اور جنگلی جانوروں کا بستی کی طرف رُخ کرنے میں کچھ کمی واقع ہو جائیگی۔لیکن کچھ ذی علم لوگوں کا کہنا ہے کہ کتوں کو پکڑ کر کسی ایک جگہ پر رکھنے سے ان کی تعداد میں اضافہ ہو گا اور یہ زیادہ وحشی بن سکتے ہیں۔اس خوف ودہشت کے ماحول سے باہر نکلنا ضروری ہے۔کوئی بھی نیک کام کے لئے استفسار کی ضرورت نہیں ہوتی۔روز کتنے بچے ،عورتیں ان کا شکار ہوتے ہیں اوران کی وجہ سے روز کتنے لوگ ہسپتالوں کی طرف رُخ کرتے ہیں۔لہٰذااس سنگین صورتحال سے نمٹنے کے لئے اس پر غور وفکر کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

ہمارے سیاستدان

سیاست کا لغوی معنی ہے ملکی انتظام سیاستدان وہ شخص کہلاتا ہے جو علم سیاست کا ماہر ہو۔ سیاست کا اصطلاحی معنیٰ ہے عقلمند، دانا ،قوم کو غفلت کی نیند سے بیدار کرنے والا ،قوم کی خاطر خود مصیبت جھیلنے والا ۔قوم کو دشمن کی سازشوں سے خبردار کرنے والا ،قوم کو امن اور راحت کا راستہ دکھلانے والا ،خود بھوکا رہ کر قوم کو پیٹ بھر کھلانے والا ،قوم کو علم حقیقی سے آراستہ کرانے والا ، راتوں کو مالک حقیقی کی یاد میں بیدار رہنے والا ، دن بھر محنت اور مشاہدہ کرنے والا ، غرض اپنے قوم کی خاطر مر مٹنے کا جذبہ رکھنے والا ،لیکن آج اس کے برعکس ہے ۔قوم کٹ اور مر رہی ہے، قربانیاں دے رہی ہے ۔اسی قوم کو لاعلم اور جہالت کے بھنور میں رکھا گیا۔ ہمارے سیاستدان خود مختلف ٹولیوں میں بٹ گئے کوئی ذرا بتائے کہ ہمارے سیاستدانوں نے گزشتہ 65 سالوں میں قوم کو کیا دیا۔ اگر کچھ دیا تو وہ صرف بدنامی اور آپسی رنجش وسر پھٹول ۔ حالانکہ سماج کی بہتر تعمیر وترقی کا دارومدار سیاستدانوں پر ہی ہوتا ہے۔ سیاستدانوں کو چاہیے تھا کہ وہ قوم کو علم کی روشنی سے روشناس کرائے ۔ پیار ومحبت کے ساتھ رہنے کا سلیقہ سکھائے اور جہالت کے بجائے حکمت عملی سکھائے ۔آج کی اسمبلیاں سلیقہ اور ادب سے خالی ہیں شور شرابے کے

سواء کچھ سنائی نہیں دیتا۔ سیاستدانوں وحکمرانوں کو چاہیے کہ اپنے پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کریں اوران کی حکمرانی کا بغور جائزہ لیں۔ اگر ہمارے سیاستدان حضرت عمر فاروقؓ کی حکمرانی سے سبق حاصل کرتے تو کتنا اچھا ہوتا۔ ان کے سامنے بھی مسائل کے انبار تھے۔ معاشی وسماجی مسائل تھے۔ لیکن انہوں نے قرآن سے سبق حاصل کر کے اپنی حکمرانی کو کامیاب اور سبق آموز بنایا اور ہمارے لئے مشعل راہ ثابت ہوئے ان کے سامنے مسائل ہزار تھے اور وسائل بہت کم اس کے باوجود بھی انہوں نے مسائل کو خوش اسلوبی کیساتھ اپنے انجام تک پہنچایا۔ وقت کے حکمرانوں کے پاس مسائل کم اور وسائل بہت زیادہ پھر بھی یہ لوگ کوئی مسئلہ حل نہیں کر پاتے۔ قوم کی کشتی کو پار لگانے یا ڈبونے کے ذمہ دار تو سیاستدان ہی ہوتے ہیں۔ پرسکون ماحول کو بگاڑنے کے ذمہ دار بھی وہی ہوتے ہیں اگر سب لوگ امن کی باتیں کرتے ہیں تو پھر امن کو بگاڑنے کے ذمہ دار کون ہیں۔ شاید سیاست کا علم پڑھنے والے سیاست کی کتاب کو الٹے طریقے سے رکھ کر پڑھتے ہیں۔ اسی لئے قوم کو پرسکون ماحول مہیا نہیں ہوتا۔ مصیبت کو سمجھنے کی صلاحیت رکھنا ایک سیاستدان کے لئے ضروری ہے۔ اللہ کی بے آواز لاٹھی ضرور ظالموں کو نشانہ بنائے گی جنہوں نے عالمی امن کو تباہ کرنے کے ساتھ ساتھ جنت نظیر کو بھی جہنم زار بنا دیا انسانی خون سے دریاؤں کا رنگ بدل دیا، عورتوں کی عزت وعصمت کو تار تار کرنے میں عار نہ کی، ہنستے مسکراتے چہروں پر مایوسی کی چھاپ ڈال دی۔ جنکا کام سوئی ہوئی قوم کو جگانا تھا انہوں نے جاگی ہوئی قوم کو لوری سنا کے سلا دیا۔ بقول شاعر

برباد گلستان کرنے کو بس ایک ہی اُلو کافی تھا
ہر شاخ پہ اُلو بیٹھا ہے انجام گلستان کیا ہوگا

دھوکہ دہی، خود غرضی، انا پسندی اور لاعلمی وجہالت کا یہ حال ہے کہ کوئی ایک دوسرے کا ہے ہی نہیں۔ اگر ہمارا وطن ایک ہے، سماج ایک ہے، رہن سہن ایک ہے، مسائل بھی ایک ہی طرح کے ہیں تو ہم ایک کیوں نہیں۔ اگر ہم سب ایک ہی مسئلہ کو اجاگر کرنا چاہتے

ہیں تو کیا وجہ ہے ہم بکھرے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کی کوئی بات یا مشورہ ہضم نہیں ہوتا اور ہم ایک دوسرے کو شک کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ ؎

ایک ہو تو بن سکتا ہے خورشید مبین
ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں سے کیا بات بنے

پچھلے 50 ساٹھ سالوں سے ہم بندروں کا کھیل کھیلتے ہیں اور کوئی غیر ہمارے اس کھیل کا ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے اور ہمیں دانا تک بھی نہیں ڈالتا۔ اگر ہم ابھی بھی ہوش کے ناخن نہیں لینگے تو شاید آنے والا وقت ہمارے لئے ٹھیک نہیں ہوگا۔ غالبؔ کے بقول

اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے
مرزا غالبؔ

بہرحال ہمارے سیاست دانوں کو چاہیے کہ اپنی سیاسی سوچ واپروچ میں تبدیلی لائیں۔ قانون قدرت میں جہاں ہماری زمین پر دن بدن تبدیلیاں رونما ہوتی ہے تو ہمیں بھی دنیا بدلنے کے ساتھ ساتھ خود کو بدلنا ہوگا۔ بہت ساری ایسی چیزوں پر سے پردہ ہٹ رہا ہے جن سے انسان بے خبر تھا۔ علم کا دامن وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ نئی نئی تخلیق سامنے آ رہی ہے جو ظلم ایک دن دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہی ظلم آج آئینہ کی طرح ہمارے سامنے ہے۔ آخر پر بس اتنا مناسب رہیگا کہ ؎

آپس کے مسائل ہیں آپس میں نمٹ جائیں
کچھ تم بھی قریب آؤ کچھ ہم بھی قریب آئیں

یکجا رہے ورق تو مکمل کتاب تھی
جب کھل گئی گرہ تو ہوا میں بکھر گئے

جئیں تو جئیں کیسے

یوں تو انسان اس دنیا میں پُرسکون زندگی جینے کے لئے آیا تھا آنے کا مقصد صرف اللہ کی بندگی اور خوشنودی حاصل کرنا تھا اس دنیا میں کوئی بھی بندہ خدا مستقل ٹھہراؤ کے لئے نہیں آیا یہاں جینے کا ایک خاص مقصد ہے۔ستم ظریفی یہ ہے کہ یہاں پر ہر کسی کو علم حقیقی کی دولت نصیب نہیں ہوتی ۔ یہاں پر ہر نصاب میں اپنی مرضی کی داستان توڑ مروڑ کر پیش کی جاتی ہے۔انسان کو جیو اور جینے دو کے گُر سکھانے تھے اخلاقی تعلیم نہایت ہی ضروری تھی پر یہاں پر خودغرضی اور لالچ کا سبق پڑھایا جاتا ہے ۔ ہر ایک شعبہ میں انسان کو اپنے حق سے محروم رکھا جاتا ہے۔

اس پُر آشوب دور میں انسان کا جینا محال ہو گیا ہے کہیں دن کا سکون نہ رات کا آرام میسر ہوتا ہے۔مہنگائی نے انسان کی کمر توڑ کے رکھی ہے۔فیشن نے گھر سے نکلنا محال بنایا ہے فضول خرچی کا چلن ہر جگہ دیکھنے کو ملتا ہمارے نوجوان فیشن پرست اور کام چور بن گئے ہیں۔اگرچہ کھیل کود جسمانی نشوونما کے لئے ٹھیک ہے لیکن ہر وقت کھیل کود میں اپنا وقت صرف کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ ہمارے نوجوانوں میں تعمیری ذہن کہیں نظر نہیں آتا۔اگر کچھ نظر آتا

ہے تو صرف فضول بحث ،لڑائی جھگڑا ،حسد ،کینہ اور بغض۔

رشوت خوری نے ہمارے سماج میں پورا جال بچھایا ہے کہیں باہر نکلنے کا راستہ نظر نہیں آ تا رشوت کے بغیر کوئی کام ہوتا نہیں ہے وہ کام چاہے سیکرٹریٹ میں ہو یا کسی بھی ادارہ میں رشوت سے پاک کوئی بھی ادارہ نظر نہیں آ تا ۔خود کشی کے واقعات اب روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں کوئی بھی اس کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتا ۔غربت ، جہالت ، نا سمجھی ،لاعلمی ،فیشن پرستی فضول خرچی نے ہمیں اس طرح گھیر رکھا ہے کہ اب خود کشی کے بغیر کوئی چارہ نہیں ۔حال ہی میں ایک اخباری خبر پڑھنے کو ملی کہ ایک لیڑی ڈاکٹر نے خود کشی کر لی جو 45 سال کی کنواری تھی سننے میں آیا ہے کہ اس کی منگنی دو جگہ ٹوٹی تھی جو کہ خود کشی کا باعث بنی۔

نکاح ایک عظیم فریضہ ہے جو کہ آسان سے آسان تر ہونا چاہیے تھا اس کا تقاضہ یہی تھا۔اسی نکاح کو ہم نے مشکل سے مشکل تر بنا دیا نکاح کے ارد گرد ہم نے فضول خرچی فیشن پرستی اور جہیز جیسی دیوار کھڑی کر دی ہے ۔ہمارے معاشرہ میں اب ہزاروں کی تعداد میں غریب اور لاچار 40 سال کی عمر کو پار کر گئے ہیں اور ابھی تک کنوارے ہیں ۔دنیا کے بیشتر مما لک فتنوں اور فسادوں میں اسطرح جکڑ کر رہ گئے ہیں کہ ترقی کے بجائے غربت اور مفلسی نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔

پالتھین کی آلودگی ہو یا تمبا کو نوشی ہر ایک نے جینا حرام کر دیا ہے ۔ہمارے معاشرے کو پالتھین کی آلودگی اور گندگی کے ڈھیروں نے گھیر کے رکھا ہے ۔جس جگہ بھی نظر دوڑائی جاتی ہے پالتھین سے بھرے ہوئے گندگی کے ڈھیر نظر آتے ہیں ان بدبودار ڈھیروں نے آنکھوں اور ذہن کا سکون ہی چھین لیا ہے ۔تمبا کو نوشی پر جتنی ہی پابندی کے اشتہار پڑھنے کو ملتے ہیں اتنا ہی اس کے کاروبار کو فروغ ملتا ہے۔

پرائیویٹ اسکولوں نے بھی ہمارا جینا حرام کردیا ہے ۔بھاری فیس وغیرہ نے غریبوں کی کمر توڑ کے رکھی ہے کوئی بھی مسیحا نظر نہیں آ تا جو بچوں کو تعلیم حاصل کرنے کا پورا حق

دے پرائیویٹ اسکول دانش گاہ کے بجائے کاروبار کی منڈی نظر آتی ہے۔

قدرتی وسائل کی لوٹ کھسوٹ جاری ہے۔کوئی اس طرف دھیان نہیں دیتا۔جنگل ہر روز کٹتے ہیں سرسبز جنگل بنجر بنتے جارہے ہیں۔کچھ علاقوں میں لوگوں کو جنگل کاٹنے کا نشہ سوار ہوا ہے۔لیکن ہم تماشائی بن بیٹھے ہیں۔

کشمیر میٹھے پانی کے چشموں کا خزانہ تھا لیکن کشمیر کے ہی لوگ پانی کی بوند بوند کے لئے ترستے ہیں۔میٹھے پانی کے چشموں کا نکاس ہمارے دریا اور ندی نالے تھے۔انہی دریاؤں اور ندی نالوں کو ہم نے گندے پانی کا نکاس بنادیا ہے۔ہر جگہ دریاؤں،ندی نالوں پر بیت الخلاء تعمیر کئے گئے۔جو بھی کوڑا کرکٹ نکلتا ہے اس کو کسی محفوظ جگہ پر ٹھکانے لگانے کے بجائے ہم لوگ ندی نالوں میں پھینک دیتے ہیں۔اس طرح ہمارے ندی نالوں کا میٹھا پانی بدبودار بنا ہوا ہے یہ پانی پینے کے لائق رہا نہ صفائی کرنے کے لائق۔

اب آپ ہی بتائیں جئیں تو جئیں کیسے۔

انسانی جانوں کے سوداگر

صحت اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے اس کی قدر کرنا فرض ہے جب صحت بگڑ جاتی ہے تو انسان بے چین ہوتا ہے صحت کی فکر لئے انسان در در کی ٹھوکریں کھاتا ہے۔ انسان اپنی اولین فرصت میں اپنے صحت کیلئے حکیموں یا ڈاکٹروں کی طرف رخ کرتا ہے۔ شاید ہی کوئی خوش قسمت ہوگا جس کو ڈاکٹروں کیساتھ پالا نہ پڑ گیا ہو۔ ویسے تو ہر ایک کو کسی نہ کسی وجہ سے ڈاکٹروں کے ساتھ پالا پڑ جاتا ہے اور ڈاکٹر کے رویہ سے بھی خوب واقف ہوتا ہے آجکل کے دور میں خاص کوئی ڈاکٹر صاحب ہوتا ہے جس کا رویہ مریض کیساتھ دوستانہ ہو۔

اگر ہم ماضی قریب کی طرف نظر دوڑائیں تو حکیم یا ڈاکٹر کا رویہ ایسا ہوتا تھا کہ مریض کو دیکھ کر ہی ایک سکون پاتا تھا۔ ڈاکٹر یا حکیم کا دل شفقت سے بھرا ہوا ہوتا تھا اور اپنی نیندیں مریض کے لئے قربان کرتا تھا۔ اپنا بیشتر وقت مریض کی دیکھ ریکھ کے لئے صرف کرتا تھا۔ مریض ترش رو ہوتا تھا اور ڈاکٹر نرم دل۔ آجکل مریض ندامت میں اور ڈاکٹر ترش رو نظر آتا ہے۔ ماضی میں ڈاکٹر خدمت خلق سمجھ کر یہ پیشہ اختیار کرتا تھا آجکل دولت کی لالچ سے ڈاکٹری کا پیشہ اختیار کیا جاتا ہے۔

ماضی میں ڈاکٹر مریض کے شفا کے لئے دعائیں کرتا تھا اور اپنے نئے نئے تجربات کے لئے وقت صرف کرتا تھا اور مریض کو ٹھیک کرنے اور مرض کے تشخیص کی جستجو میں رہتا تھا اور آجکل ڈاکٹر کلینک میں صرف مریضوں کی گنتی میں رہتا ہے اور اس فکر میں رہتا ہے کہ کتنا کمایا۔

ماضی میں ڈاکٹر نبض دیکھ کر ہی مرض کی تشخیص کرتا تھا۔آجکل ڈاکٹروں کو مختلف ٹیسٹ دیکھ کر بھی مرض کی تشخیص نہیں ہوتی۔مریض ڈاکٹر کی ترش روئی یا جلد بازی دیکھ کر اپنا مرض بھول جاتا ہے اور واپس گھر جانے کو ہی ترجیح دیتا ہے۔

ماضی میں ڈاکٹر اپنے آپ کو خادم اور مریض کو سپریم سمجھتا تھا۔آجکل اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ ڈاکٹر اپنے آپ کو سپریم سمجھتا ہے جو کہ اس کی غفلت ہے۔چاہیے تو یہ تھا کہ مریض کا مرض دیکھ کر ندامت میں آجاتا کہ خدانخواستہ کبھی یہ ڈاکٹر صاحب خود بھی اس مرض میں مبتلاء نہ ہو جائے۔ماضی میں ڈاکٹر مریض کے مرض کا حقوق العباد اور اپنا فرض منصبی سمجھ کر علاج کرتا تھا آجکل ڈاکٹر مریض کے مرض کو دولت (تجوری) کی چابی سمجھ کر علاج کرتا ہے۔ مریض آس بھری نگاہوں سے ڈاکٹر کو دیکھتا رہتا ہے۔زندگی کی جنگ سے تھک ہار کر بیماری کی درد کو سہتا ہوا ڈاکٹر کی طرف چلا آتا ہے۔مریض یا تو قرضہ لے کر یا گھر کے اخراجات میں کٹوتی کر کے کچھ رقم بچا کر درد کو دوا کرنے کے لئے ڈاکٹر کی طرف ایک امید لے کر آجاتا ہے۔مریض کی یہی رقم یا تو ڈاکٹر کی نا قابلیت کی نذر ہوتی ہے یا نقلی دوا کمپنیوں کی نذر۔

ہمارے مریضوں کو آلیو پیتھک (انگریزی دوا) کی اب تسلی ہوئی ہے کیونکہ اس میں گوٹالے ہی نظر آتے ہیں۔ہمارے مریض ہیمو پیتھک یا ایورویدک کے متمنی ہے لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ ہمارے اسپتالوں میں جو ایرویدک یا ہیمو پیتھک ڈاکٹر صاحبان تعینات ہیں وہ بھی نسخوں پر انگریزی دوا ہی لکھ دیتے ہیں جس کی طرف حکومت دھیان نہیں دیتی۔

''بات ایک رات کی''

میری ملاقات ایک دن ایک ڈاکٹر صاحب کے نوکر سے ہوئی۔باتوں باتوں میں

نوکر نے کہا ہمیں بائی ائیر ممبئی جانا ہے۔ پچھلے سال دلی گئے تھے جموں تو جاتے رہتے ہیں۔ واہ میری مقدر کتنی اچھی ہے میں کب جہاز میں سفر کرتا۔ میں کب بڑے بڑے ہوٹلوں اور ریستورانوں میں جا کر ٹھہرتا، کب وہ نعمتیں کھاتا جو مجھے ڈاکٹر صاحب کے وسیلے سے نصیب ہوتی ہے۔ میں نے کہا آپ کا مالک کتنا مہربان ہے آپ پر آپ کو تو شکر کرنا چاہیے نوکر نے کہا ارے بھائی اس کو تو اپنی جیب سے ایک پیسہ بھی خرچ نہیں ہوتا ہے ہمیں تو صرف اپنی ٹانگوں سے چلنا ہے۔ چھوٹے چھوٹے گلیوں اور کوچوں کے لئے بھی گاڑیاں دستیاب ہوتی ہیں۔ وہ بھی بالکل مفت ہمیں تو صرف اپنے ہاتھوں سے کھانا کھانا ہوتا ہے بس۔ میں تو چونک گیا ارے بھائی آپ کیا کہتے ہو۔ ویسے تو نوکر کا دماغ کمزور ہوتا ہے۔ بیچارہ ڈاکٹر صاحب خود کی نیند جلا کر خون پسینہ ایک کر کے اپنے اہل وعیال کو پالتا ہے اور خوب سیر بھی کراتا ہے او رکتنا نیک ہے کہ اپنے نوکر پر بھی اتنا مہربان ہے کہھر جگہ آپ کو بھی ساتھ لے کر گھماتا ہے اور آپ کہتے ہیں کہ میرے مالک کو پورے ملک کی سیر میں ایک پیسہ بھی خرچ نہیں ہوتا ہے اتنا خرچہ اتنا پیسہ کہاں سے آئے گا آسمان سے تو نہیں آئے گا اور وہ بھی آجکل کے اس مہنگائی کے دور میں!

نوکر نے جواب دیا ارے بھائی آپ کس تاریک کوٹھری میں رہتے ہو کیا آپ کو پتہ نہیں کہ میرا مالک ڈاکٹر صاحب ہے ڈاکٹر جو مریضوں کی دوا لکھتا ہے وہ دوا تو کمپنیاں بناتی ہیں اور جو مریضوں کو ٹیسٹ کرنا ہوتا ہے وہ تو لیب میں ہوتا ہے۔

میں نے کہا پھر کیا ہوا مریضوں کو تو دوائیاں بازار سے لینے پڑتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب سے نہیں۔ ڈاکٹر بیچارے کو تو مریض صرف سو دوسو روپے فیس دیتے ہیں۔ ارے نادان نوکر نے جواب دیا: اکثر وبیشتر میرے ڈاکٹر صاحب کے پاس کمپنیاں والے اور لیب والے آتے جاتے ہیں یہی دوا کمپنیاں والے میرے ڈاکٹر صاحب کو اور ڈاکٹر کے اہل وعیال کو اور مجھ خوش نصیب کو بھی سیر کرواتے ہیں۔

ایک کمپنی والے نے میرے ڈاکٹر صاحب کو کہا اگر آپ متواتر میری کمپنی کے دوا مریضوں کے نسخوں پر لکھو گے تو کمپنی آپ کو مفت میں اور آپ کے اہل وعیال کو حج کروائے گی۔ واہ واہ کیا بات ہوئی لمبی سانس لے کر میں نے بھی خدا سے التجا کر کے کہا اے خدایا کیا کمی ہوتی اگر مجھ کو بھی ڈاکٹر بنایا ہوتا! مفت میں تیرے دنیا کی سیر کرتا اور حج بھی مفت میں کرتا، کام تھا صرف نسخوں پر دوائیاں لکھنا، چاہے مریض ٹھیک ہوتا یا دفن! میں دوا ساز کمپنی والوں کو خوش کرتا اور وہ مجھے مفت میں سیر کروا کے خوش کرتے۔ میں قتل کر کے بھی قاتل نہ مانا جاتا ، خدایا رحم کر اس ناداں قوم پر۔

عذاب الٰہی کو ذکرِ الٰہی کے ذریعے دور کیا جاسکتا ہے

کس کو پتہ تھا کہ ستمبر 2014 کا پہلا ہفتہ قیامت صغریٰ لے کر جموں کشمیر میں آئے گا سیلاب نے عذاب الٰہی کی شکل میں منٹوں میں وادی کشمیر کی راجدھانی سرینگر سمیت کئی قصبہ جات و دیہات کو اپنی لپیٹ میں لیا ہے دیکھتے ہی دیکھتے جنت نظیر ایک بڑے جھیل میں تبدیل ہوگئی واقعی ایسا لگا کہ کشمیر ایک دن ستی سر تھا۔ پل بھر میں ہر آنکھ نم ہوئی، نفسی نفسی کا عالم چاروں اور دیکھنے کو ملا بیٹے کو باپ یاد رہا نہ باپ کو بیٹا، موت آنکھوں کے سامنے نظر آنے لگی، کوئی کسی کو یاد نہ رہا، جو زبان نغمے گنگناتی تھی وہ زبان ذکر الٰہی میں مشغول ہوگئی کیونکہ مصیبت میں اللہ یاد آہی جاتا ہے۔ نظریں آسمان کی طرف اٹھنے لگی لیکن ایسا لگا جیسے توبہ کا دروازہ بند ہوگیا ہے۔ العیاذ باللہ۔ سیلاب اوپر چڑھتا گیا، موت نزدیک سے نزدیک تر نظر آنے لگی، عمر بھر کی کمائی کو سیلاب کی نذر ہوتے ہوئے دیکھ کر ہر ایک اپنے آپ کو بچانے کی فکر میں لگا اس کے باوجود لاکھوں لوگ سیلاب میں ہی پھنسے رہے،۔ پہلی منزل کو چھوڑ کر دوسری منزل میں چڑھ گئے جب سیلاب نے دوسری منزل کو آ پکڑا تو یہ ستم زدہ لوگ تیسری منزل یا چھت کی اور چڑھنے لگے۔

ہر ایک کے دل میں یہ خیال آیا ہوگا کہ کل چمن تھا آج اِک صحرا ہوا، دیکھتے ہی دیکھتے

یہ کیا ہوا۔ چہروں سے وہ مسکراہٹ، ہشاشیت چھن گئی۔ ہر چہرہ چیخ و پکار تھی کوئی آس نظر نہ آتی تھی۔ شاید اسی منظر کو دیکھتے ہوئے حیرت الہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے کہ

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں

سامان سو برس کا پل کی خبر نہیں

حکومتی مشینری یا ڈیزاسٹر مینجمنٹ کا ادارہ کہیں نظر نہ آیا۔ نظر آتی بھی کیا...... ان کو سیلاب نے سب سے پہلے آ پکڑا۔ سیکریٹریٹ ہو یا پولیس کنٹرول روم، ڈویژنل کمشنر کا آفس ہو یا فائر سروس ہیڈ کواٹر، پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرانک میڈیا کے دفاتر، غرض حکومت کی ہر مشینری جو راجدھانی میں قائم ہوتی ہے سیلاب کی زد میں آ گئے لیکن راجدھانی کے ارد گرد جو حکومتی مشینری کی شاخیں ہوتی ہیں ان کے دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وادی کشمیر بجلی، پانی، سڑکوں، کمیونیکیشن، ڈیزل، پیٹرول غرض ہر ایک سہولیت سے محروم ہوگئی۔ پوری دنیا سے پل بھر میں رابطہ کٹ گیا، ہر ایک اپنے عزیز و اقارب کی فکر میں لگا رہا، زندگی کا پہیہ پوری طرح جام ہوگیا، سیلاب میں جو پھنسے رہے ان کو کوئی آس نظر نہ آئی لیکن وادیٔ کشمیر کے باہمت، نڈر اور بہادر نوجوانوں نے کمر کس لی اور بچاؤ کاروائی کے لئے فوری طور اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ادھر رضا کار بہادر نوجوان بچاؤ کاروائی میں دن رات لگے رہے۔ ادھر گھروں میں بزرگ لوگ اللہ تعالیٰ سے دعا میں مشغول رہے، بچے سہم کر رہ گئے معصوم نظروں سے اداس چہروں کا مشاہدہ کرتے رہے۔

شاید کشمیر کے لوگ اس مصیبت کو جو عذاب الٰہی سے کم نہ تھا بہت جلد بھول جائیں گے اور اپنی بدمستی میں جلدی گم ہو جائیں گے۔ وہی بے پردگی، اخلاقی گراوٹ، سودخوری، لالچ و حرص غرض نفس امارہ تابعداری میں ڈوب جائیں گے۔ اگر ہم لوگوں نے اس مصیبت سے عبرت حاصل نہ کی تو خدانخواستہ کہیں اس سے سخت اور بڑے عذاب کو دیکھنا نہ پڑے۔ جب ہم وادی کشمیر کے ماضی کی طرف نظر دوڑاتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ وادی کشمیر پچھلے کئی صدیوں سے ناگہانی آفتوں کا سامنا کرتے آئی ہے وادی کشمیر میں خطرناک زلزلے آتے تھے، جس کا جیتا جاگتا ثبوت جھیل ولر

ہے جوزلزلے کی ہی دین ہے ولرجھیل تماشا گاہ نہیں ہے بلکہ عبرت کی جگہ ہے۔ٹھیک اسی طرح جس طرح دو ہفتے سے زیادہ عرصہ گذر جانے کے باوجود بھی جواہر نگراور راجباغ کا پانی نہیں اترتا۔ خطرناک زلزلوں سے جونہی کسی حد تک نجات ملی تو سیلابوں نے آ پکڑا ابھی یہاں خطرناک سیلاب آیا کرتے تھے آج تقریباً 60 سال بعد ایک مرتبہ پھر وادی کشمیر میں خطرناک سیلاب آیا اور بہت سے انسانی جانوں کو اپنے ساتھ بہالے گیا اور کھربوں کا مالی نقصان کر گیا۔ جب ہم ماضی قریب میں نظر دوڑاتے ہیں تو پچھلے دو دہائیوں سے کشمیری قوم صبر آزما دور سے گزر رہی ہے، کشمیری نوجوان جیلوں کی زینت بن گئے کشمیریوں سے قبرستان سجنے لگے۔ ہزاروں عورتیں بیوہ ہوگئیں، لاکھوں بچے یتیم ہوگئے، آشیانے شعلوں کی نذر ہوگئے۔

8 اکتوبر 2005 کے زلزلے کے زخم ابھی بھرے نہیں تھے، کہ کشمیر کو 2009 کے ہوائی طوفان نے آ گھیرلیا۔ گھڑی گھڑی آزمائشوں کا آنا، لیکن ہم پھر بھی سدھرنے کا نام نہیں لیتے ہیں مغربیت کو اپنے اندر جلد جذب کر لیتے ہیں، دینی تعلیم خصوصاً کتاب اللہ وسنت رسول ﷺ کو ہم نے پس پشت ڈال دیا ہے یہی وجہ ہے کہ جب ہم نے ذکر الٰہی کو چھوڑ دیا تو عذاب الٰہی نے پکڑ لیا۔

حالیہ تباہ کن سیلاب میں کشمیر کے بہادر اور نڈر نوجوانوں نے جہاں بچاؤ کاروائی میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی وہیں یہ دلیر نوجوان ریلیف کاروائی میں مشغول ہوگئے۔ اگر چہ جموں کشمیر کی پوری ریاست سیلاب سے متاثر ہوگئی کہیں جانی نقصان ہوا، کہیں آشیانے لٹ گئے، کہیں کھیت اور باغات سیلاب کی نذر ہوگئے تجارتی سازوسامان تباہ و برباد ہوگیا غرض جموں کشمیر کا ہر ایک فرد ہر قصبہ و دیہات، کھیت اور کھلیان، باغات وزراعت کسی نہ کسی طریقے متاثر تو ہوگئے۔ یہ بدنصیب قوم جنہوں نے صدیوں سے ناگہانی آفتوں کا سامنا کیا، غیروں کے ظلم کے شکار ہوتے چلے آئے۔ کشمیری باغیرت قوم اب جانتا ہے کہ مصیبت کا سامنا کیسے کرنا چاہیے، ہر گاؤں میں ہر شہر میں یہ دلیر نوجوان کھڑے ہوئے اور ریلیف کاروائی کے لئے ریلیف جمع کرنے لگے چونکہ یہ قوم ستم زدہ ہے اس لئے اس قوم کو ہر ایک کا درد جلدی محسوس ہوتا ہے اسلئے ریلیف جمع کرنے میں زیادہ دیر نہ لگی۔

سبزیاں، چاول، کمبل، کپڑے غرض نقد اور جنس جس کو جو اللہ نے توفیق دی جمع ہوگیا۔لیکن جو سیلاب میں پھنسے رہے ان تک ریلیف دشواریوں کے سبب نہ پہنچ پایا۔ جو لوگ دو ہفتے سے زیادہ سیلاب میں اپنے گھروں کے دوسری یا تیسری منزل میں پھنسے رہے ان کا حال ان کا خدا ہی جانتا ہے کل کے شاہ آج کے گداگر بن کر آس لگائے بیٹھے ہیں کہ کوئی مسیحا آئے۔اوپر آسمان اور نیچے خستہ حال مکان ایک منزل تک جمع شدہ ملبہ اور بدبودار پانی نہ باہر نکلنے کا راستہ، نہ صفائی کا کوئی ذریعہ، نہ پینے کا پانی، نہ کھانے کے لئے روٹی، نہ بچوں کے لئے دودھ، نہ بزرگوں کے لئے دوا وغیرہ۔ادھر سے زیادہ دیر تک مکان کو سیلاب میں رہنے سے گرنے کا خطرہ، نہ راتوں کی نیندیں نہ دن کا چین، جو لوگ سیلاب سے جان بچا کر نکل گئے یا نکالے گئے وہ لوگ اب اپنے مکان سے دور سڑک کنارے اپنے آشیانوں کا لٹنے کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور سڑک پر بھوکے پیاسے بیٹھے ہوئے ہیں ان کے دلوں کا حال خدا ہی جانتا ہے۔اس سیلاب کے طوفان سے مصیبت زدہ لوگوں پر کیا گزری ہوگئی ہو اس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔کشمیر میں اس ناگہانی آفت سے خبریں بنانے والوں کو خبریں ملی، قلم کاروں کو موضوع ملا، تبصرہ نگاروں کو تبصرہ کرنے کا موقع ملا۔لیکن کیا حقداروں کو حق مل جائے گا؟ یہ سوال اپنی جگہ پر تشنہ جواب ہے۔ بچاؤ کارروائی بھی ہوگئی، ریلیف کاروائی بھی ہورہی ہے۔سوال ہے بازآبادکاری کا...... کیا بازآبادکاری کا ایسا کام حکومت وقت اور دنیا کے ذی حس حکمران انجام دیں گے؟ جو تعصب اور انتقام سے بالاتر ہو۔سیلاب سے متاثر مصیبت زدہ لوگوں کو چاہیے کہ آس لگائے نہ بیٹھیں بلکہ اپنے اللہ سے مدد مانگنی چاہیے اور اپنی مدد آپ کرنی چاہیے، محنت اور نیک اعمال سے ہر کچھ حاصل ہوتا ہے۔

ناگہانی آفتوں سے احتیاطی تدابیر اختیار کرنا لازم ہے اس سلسلے میں اجتماعی سوچ اور اپروچ کی ضرورت ہے پورے قوم کی خیریت انفرادی خیریت میں مضمر نہیں ہم نے قدرتی وسائل سے اُس طرح فائدہ نہیں اٹھایا جس طرح فائدہ اٹھانے کا حق تھا بلکہ ہم نے قدرتی وسائل کو لوٹنا شروع کیا۔ہم نے ندی نالوں، دریاؤں، جھیلوں، گلیشرز، جنگلوں سے چھیڑ چھاڑ

کی ،جنگلوں اور جھیلوں کونوتوڑ کیا،جنگلوں میں بستیاں بنائی،ہم نے جھیلوں پر آشیانے سجائے، جھیلوں، دریاؤں کو وسعت دینے کے بجائے ان کوسکڑا دیا۔ڈرینج سسٹم کا کبھی خیال نہ کیا، پالتھین کا زیادہ سے زیادہ استعمال کیا جو پانی کی نکاسی کے روک کا سب سے بڑا سبب ہے۔ جب پالتھین استعمال میں نہ تھا تب گندگی کوٹھکانے لگانا آسان تھا، بلکہ گھر سے جوکوڑا کرکٹ نکلتا تھا وہ سڑ کر کھاد کا کام دیتا تھا جسے ہماری زمین زرخیز ہوتی تھی۔ جب سے ہم نے پالتھین کا استعمال شروع کیا تب سے کشمیر میں ہر جگہ گندگی کے ڈھیر جمع ہوتے ہیں اس چیز کوشہر سرینگر میں میونسپل ڈیپارٹمنٹ اچھی طرح جانتا ہے کہ وہ ہر دن ٹنوں گندگی اُٹھاتے ہیں اور اس گندگی کو ٹھکانے لگانا بہت مشکل ہوتا ہے پانی کی نکاسی کے روک کا سب سے زیادہ ذمہ دار پالتھین کے لفافے ہیں۔اگر ہماری قوم ابھی بھی جنگلوں کے نوتوڑ، آبگاہوں، جھیلوں، دریاؤں کے نوتوڑ، پالتھین کےاستعمال سے باز نہ آئیں تو سیلاب جیسے ناگہانی آفتوں کا سامنا کرنا یقینی ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم دریاؤں، جھیلوں، جنگلوں کی دیکھ ریکھ کریں، دریا کے کناروں (بنڈوں) کی ہر وقت دیکھ ریکھ کریں، دریاؤں اور جھیلوں کی کھدائی کر کے ان کو وسعت دیں، ان کے کناروں پر ہرگز ہرگز تعمیرات نہ کھڑا کریں، جنگلوں کی بے دریغ کٹائی سے باز آئیں، جنگلوں کا جونوتوڑ ہوا ہے ان کو واپس اپنی اصل شکل میں لائیں، فلڈ چینلوں کی از سر نو تعمیر کریں، فلڈ چینلوں پر جو ناجائز تعمیرات ہیں ان کو منہدم کریں۔تب کہیں جا کے (اگر ہمارے اعمال اچھے ہو) ہم ناگہانی آفتوں سے نجات پا سکتے ہیں۔

احتیاطی تدابیر کرنا بہر حال ہر ایک کہ ذمہ داری ہے،قوم اور ملک کو سجانا سنوارنا ایک مکمل فن ہے جو ہر کوئی نہیں جانتا۔اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کامل اور ہدایت سے نوازے اور ہمیں اپنے سایۂ رحمت میں پناہ دے۔ (آمین)

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو

یوں تو انسان دنیا میں جینے کے لئے آتا ہے لیکن حادثوں کو کیا کریں کتنا بھی انسان سنبھل کے چلے جن حادثوں کو ہونا ہے پیش آ کر ہی رہیں گے۔ یہی حادثات جینا دشوار کرتی ہے اُڑتے پرندوں کے پر جب کٹتے ہیں تو زمین پر گر جاتے ہیں ان حادثوں کی وجہ سے کتنے سرتاج محتاج بن جاتے ہیں آسمانوں پر اُڑنے والے زمین پر گر کر خاک ہو گئے۔ ایک انسان کو کسی حادثہ کا جب سامنا کرنا پڑتا ہے تو اس کے لیے پھر سنبھلنا دشوار بنتا ہے۔ ہمت بھی جواب دیتی ہے اپنے بھی پرائے بن جاتے ہیں۔ ویسے یہاں پر دیکھا گیا ہے کہ مطلب کی یاری ہی پائیدار مانی جاتی ہے۔ دولت آنی جانی ہے دولت ہاتھ میں ہے تو سب اپنے ہیں دولت چلی گئی تو اپنوں کا منہ پھیرنا یقینی بات ہوتی ہے۔

ایک تو یہ کہ اپنوں نے منہ پھیر لی دوسری بات یہ کہ طعنوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے مثلاً یہ کہا جاتا ہے کہ ہمیشہ ایسا ہی تھا اس کو بات کرنے کا ڈھنگ نہیں ہے، حادثے یوں ہی نہیں ہوتے جب تک نہ گناہ کیا ہو وغیرہ وغیرہ لیکن یہ جان لیا جائے کہ طعنہ دینے والا خود بے قوف ہوتا ہے۔ بہر حال حادثوں کے بعد جینا ایک دشوار عمل ہے اپاہج ہونے کے بعد زندگی گزارنا

کتنا مشکل عمل ہے ان کو الفاظ کا جامہ پہنانے کے بجائے خود کسی اپاہج سے پوچھئے جو دن بھر خاک میں مل جاتا ہے اور رات کو تڑپتے تڑپتے درد سہتا ہے اور رات کے آخری حصہ میں آنسوں کو ہی پی جاتا ہے۔ ایسی ہی ایک مثال میرے گاؤں میں ہے ایک خوب رو نوجوان شبیر احمد صوفی ولد ماسٹر عبدلاحد صوفی ساکنہ میدان چوگل ہندوارہ 6 مارچ 2006ء دن کے بارہ بجے بروز سنیچر نتھی پورہ میں بائیک پر حادثہ کا شکار ہوا۔ حادثے سے صرف دوسال پہلے شادی کی تھی اللہ نے ایک بچی بھی عنایت کی تھی جو کہ حادثے کے وقت 11 مہینے کی تھی۔

شبیر احمد اپنی روداد سناتے ہوئے کہتا ہے کہ 6 مارچ 2006ء کو میں ہندوارہ سے سوپور کی طرف بائیک پر سفر کر رہا تھا چوگل وٹائن کیمپ تک مجھے معلوم ہے کہ میں بائیک چلا رہا ہوں وٹائن کیمپ سے آگے مجھے کچھ بھی معلوم نہیں یعنی میرے ہوش جیسے اڑ گئے جب تک میں نتھی پورہ سوپور تقریباً 10 کلومیٹر کا سفر آگے طے کر کے ایک ٹاٹا سومو کے ساتھ ٹکرا کر حادثے کا شکار ہو گیا۔ سومو کی ٹکر سے مجھے تقریباً سومو نے 20 فٹ اونچا پھینک دیا اوپر میں ایک سفیدے درخت کے شاخ سے لٹک گیا درخت کی شاخ ٹوٹی اور میں زمین پر گر پڑا مجھے ہوش برابر آیا کہ میں حادثے کا شکار ہو گیا۔ لوگ جمع ہو گئے اور وڈورہ کیمپ کے CRPF والے بھی جمع ہو گئے میری طرف کوئی دھیان نہیں دیتا تھا سب سومو والے کی طرف لگ گئے یہ میں خود سنتا تھا کی لوگ کہتے تھے کہ میں مر گیا۔ اسی اثنا میں کسی نے میرا ہلمٹ اُتارا اور مجھے زندہ دیکھ کر حیران ہو گئے آنا فاناً اُٹھا کر سومو میں سوپور اسپتال پہنچایا۔ اور مجھے پورا ہوش تھا سوپور اسپتال میں مجھے اپنوں پر نظر پڑی جان میں جان جیسے آ گئی ہاں اتنا بھی دیکھا کہ بیوی اور بہن کے پاؤں پر نظر پڑی کہ ننگے پاؤں تھیں۔ سوپور اسپتال سے مجھے سرینگر صورہ کی طرف ریفر کیا گیا تقریباً پٹن تک مجھے برابر ہوش تھا اس کے بعد کیا ہوا مجھے معلوم نہیں بعد میں سُنا کہ میں تین دن تک کوما میں رہا تھا ہوش آیا تو اپنے آپ کو صورہ SKIMS میں پایا۔ ایک وارڈ سے دوسرے وارڈ 6A میں ریفر کیا گیا دیکھتا ہوں کہ ٹانگ اور بازو فریکچر ہے۔

صورہ اسپتال سے برزلہ کی طرف ریفر کیا گیا برزلہ Bone & Joints اسپتال میں مجھے کمر کا آپریشن کیا گیا۔ آپریشن کی خدمت ڈاکٹر محمد رمضان میر صاحب اور ڈاکٹر عبدلرشید بڈو صاحب نے انجام دی۔ جبکہ SKIMS میں ڈاکٹر محمد افضل میر نے لکھا تھا کہ فی الحال کمر کا آپریشن نہیں کرنا۔ برزلہ میں Bone & Joints اسپتال سرینگر میں چھ مہینے تک ایڈمٹ رہا خرچہ تقریباً ڈھائی لاکھ روپے آیا آپریشن کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ میں دونوں ٹانگوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بیکار ہو گیا ہوں۔ کمر میں D11/D12 متاثر ہوئی تھی Spinal Card ڈمیج ہوگئی تھی۔ چھ مہینے بعد اسپتال سے رخصت کیا گیا۔ گھر آنے کے تقریباً دو مہینے بعد بیڑسور کا شکار ہو گیا ہوں زخم بہت گہرا ہوتا گیا۔

تقریباً تین مہینے تک ڈریسنگ کرتا رہا لیکن زخم ٹھیک ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ اسی دوران عیادت کے لئے میرے گھر میرا ایک سکھ ہمسایہ آیا جس نے گنگارام نیو دہلی اسپتال جانے کا مشورہ دیا کہا کہ بیڈسور وہاں ٹھیک ہوگا۔ بیوی نے اپنا زیور بھیج دیا اور مزید ایک لاکھ روپیہ کا انتظام بھی کیا اور گنگارام اسپتال نیو دہلی کی راہ لی۔ گنگارام اسپتال پہنچا تو BED SORE کی پلاسٹک سرجری کردی گئی 7 دن میں ڈیڑھ لاکھ روپیہ خرچہ آیا۔ خرچہ زیادہ آنے کی وجہ سے اب میری بیوی مجھے خود Dressing کرتی رہی اور ہم گنگارام میں زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکے۔ جموں میں کمرہ لینا پڑا کیونکہ گنگارام میں ہدایت کی گئی کہ مریض کو کشمیر نہیں لے جانا وہاں سردی ہے جس کی وجہ سے مریض کو زیادہ تکلیف ہونے کا اندیشہ ہے جموں میں دو مہینے تک ٹھہرے رہے۔ تیمارداروں کے ماتھے پر تھکن کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ شبیر احمد نے بیچ میں اپنی بات کو کاٹ کر کہہ دیا کہ جب مجھے ایکسڈنٹ ہوا میری بیٹی 11 مہینے کی تھی میری حالت خراب دیکھ کر اس کو اپنی خالہ نے لیا پھر چار سال بعد میں نے اپنی بیٹی کو دیکھا اسی اثنا میں شبیر احمد کی بیٹی بھی کمرے میں داخل ہوگئی اور بیڈ پر اپنے معذور باپ کے سامنے بیٹھی رہی مجھے ایسا لگا جیسے کوئی کہہ رہی ہے کہ پاپا میں تیرے پیار کے لئے بے چین ہوں کچھ دیر تک

سکوت چھایا رہا پھر شبیر احمد نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ کمر کے ساتھ ساتھ میں ہمت بھی ہار چکا تھا بیوی نے دلاسا دیا کہ آپ خود اپنا کام کریں جب بیوی نے کہا کہ میری نظر میری ٹانگوں پر پڑی جو کب کی بیکار ہو چکی تھی تو بیوی نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ میں آپ کی ٹانگیں بن جاؤں گی بے شک اس بات سے مجھے اپنی ہمت لوٹ آئی جب کہ میں اپنی بیوی کو کئی بار آزاد کرنے کی سوچ رہا تھا۔ سنا ہے کہ بیوی نے اپنے میکے میں کہا ہے کہ اگر یہ حادثہ شبیر احمد کے ساتھ نہ ہوتا بلکہ میرے ساتھ ہوتا تو کیا شبیر احمد مجھے اپنے حال پر چھوڑ جاتا۔ میری حالت دیکھ کر میری بیوی کے میکے والوں کا اپنی بیٹی کے بارے میں پریشان ہونا برحق تھا۔ بہر حال ہمسفر نے سفر میں ساتھ دینے کا وعدہ دیا اور میں نے راہ پر آگے چلنے کی سوچ لی۔ مسافر اور ہمسفر نے ایک پرانی گاڑی لانے کا ارادہ کیا، بندہ نے ارادہ کیا اور خدا نے عملی جامہ پہنایا۔ ایک دلبر انسان نے اپنی پرانی گاڑی دے دی اور ماہ وار 20 ہزار تنخواہ مقرر کی اور میں اپنے کام پر چل دیا۔ یاد رہے کہ میں لائف انشورنس کارپوریشن آف انڈیا میں کمشن بیس پر کام کرتا تھا۔ اب یہی کام کرنے کا من بنایا ہمسفر کے کہنے پر ہمسفر کو ساتھ لے کر کام پر چل دیا۔ اللہ کا کرم ہے کہ پہلے ہی مہینے میں اچھی خاصی کمشن مل گئی تو میرے جان میں جان آئی اور ہمت بھی ہونے لگی اوروں کے کندھوں پر بوجھ بننے کے بجائے خود کمانے میں جو مزہ ہے وہ اور کسی میں نہیں۔ BED SORE اپنی جگہ موجود تھا ٹھیک نہیں ہوا تھا بیوی Dressing کرتی رہتی تھی اس دوران ڈاکٹر شبیر اقبال نے میری بیوی کو مشورہ دیا کہ نرسنگ کی کوشش کر لو کیونکہ Dressing کرنی انتہائی لازمی ہے پرائیوٹ کرنے پر خرچہ زیادہ آئے گا تو بیوی نے نرسنگ کرنے کی چاہت ظاہر کی۔

2008ء میں طاہرہ خانم سرینگر میں نرسنگ کے لئے داخلہ لیا کہا کہ میں نرسنگ سیکھ لوں گی اور آپ کا علاج کرتی رہوں گی۔ ہمسفر نے جب دیکھا کہ گاڑی کے ڈرائیور کا تنخواہ بوجھ بنتا جا رہا ہے تو نرسنگ کے ساتھ ساتھ ڈرائیونگ بھی سیکھ لی اور میری معذور ٹانگوں میں

بے شک اپنی جان دیتی رہی۔ گنگارام اسپتال میں بیڈسور کے علاج کے سب روپیہ ضائع ہوئے تھے کیونکہ بیڈسور ٹھیک نہیں ہوا تھا تو ماڈرن اسپتال سرینگر میں ڈاکٹر شبیر اقبال نے آپریشن کرنے کی حامی بھرلی۔

مختصراً عرض کرتا ہوں کہ آپریشن کامیاب ہوااور =/Rs.45000 روپیہ خرچہ آیا اور تقریباً ایک مہینے تک مسلسل پیٹ کے بل رہا، کھانا، پینا حتیٰ کہ تیماردار سرتک اسی حالت میں دھوتے تھے۔ بیڈسور ٹھیک ہوا تو دوسری آزمائش آن پڑی کہ پیشاب بند ہوا کڈنی اسپتال میں داخلہ لینا پڑا آپریشن کو تقریباً 35 ہزار لگ گئے۔ ان مصیبتوں نے قرضوں میں ڈبودیا۔ اللہ کی رحمت نے دامن پھیلا دیا کہ بیوی نے نرسنگ مکمل کرنے کے بعد ہیلتھ محکمۂ میں NRHM کے تحت بحیثیت FMPHW تعینات ہوئی۔ اب علاحدہ آشیانہ بنانے کی ضرورت پڑی بہرحال انسانیت ابھی موجود ہے آشیانہ بنانے میں جس چیز کی ضرورت پڑی جیسے لکڑی، پتھر، اینٹیں، مزدور وغیرہ قسطوں میں دے دیا کرتا تھا۔ کسی نے تنگ نہ کیا بلکہ مدد ہی کرتے رہے میں خود ویل چیر پر اپنی بیوی کے ساتھ ریت چھانتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش نے اور آ گھیر لیا کہ پھر بیڈسور ہوا یکے بعد دیگرے تیں بار ہوا ڈاکٹر شبیر اقبال ماڈرن اسپتال سرینگر علاج کرتا رہا اللہ کا کرم ہے کہ علاج کامیاب ہوتا رہا۔ یادرہے کی SKIMS صورہ سرینگر میں بیڈسور کے علاج کے لیے چار مہینے بعد نمبر آنے کو کہا تھا تب تک نہ جانے کیا حالت ہوئی ہوجاتی۔ ایک دن ڈاکٹر منیر خان BMO اور آج ٹنگڈار میں CMO ہے نے مشورہ دیا کہ گاڑی چلانی سیکھوا یسے مریض گاڑی چلا سکتے ہیں۔ پتہ کرنے پر پتہ چلا کہ SKIMS میں X-RAY شعبہ میں مجھ جیسا ایک مریض ہے جو گاڑی چلاتا ہے اِطلاع ملی کہ جلندر میں جوگندر سنگھ نامی ایک میکینک Auto Clach گاڑی بناتا ہے۔ ہم نے رخت سفر باندھ لیا اور من بنالیا آٹو کلچ گاڑی لانے کی مختصر سے عرض کرتا ہوں کہ تقریباً ایک مہینہ لگا گاڑی سیکھنے کو۔ آج پاؤں کے بغیر ہاتھوں سے

پاؤں کا کام لیتا ہوں یعنی صرف دو ہاتھوں سے سٹیرنگ ، گئیر ،ایکسیلیٹر ، بریک وغیرہ کا کام چلاتا ہوں۔شبیر احمد نے کہا کہ آج میں اپنے آپ کو سماج کا فرد تصور کرتا ہوں بہر حال انسانوں میں فرشتے صفت بھی ہوتے ہیں جو وقت پر در کار آتے ہیں۔اگر چہ شبیر احمد دونوں ٹانگوں سے محروم ہے لیکن ہمت اور حوصلے سے آج معاشی اعتبار سے کسی قدر بہتر ہے اور بھیک مانگنا شبیر احمد نے پسند نہیں کیا بہر حال شبیر احمد کو حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے۔شاید خواجہ میر دردؔ نے کچھ ایسا ہی محسوس کیا ہوگا، جو دل سے یہ بات نکلی ہوئی ہوگی کہ۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

❁❁

متفرقات

منظوم کلام

آہ! نانا جان

وہ موذن وہ عابد وہ رہنما ہمارا
وہ ہمارے لئے لشکر سے بڑھ کر
وہ ہمارا سکوں ہمارا جہاں تھا
وہ مسکاں چہرے پہ اُس کے
عید کا چاند ہو فلک پہ جیسے
وہ سنت محمدؐ کا پابند تھا جم کے
وہ کلام خدا کا دیوانہ تھا دل سے
ڈر کی کیا مجال تھی کہ ہمیں ڈرا سکے
یہ شان تمہاری تھی کہ
غم بھی ہمیں نہ رُلا سکے
تم کیا چلے گئے خوف و غم
گھر سینوں میں ہمارے کر گئے

(ڈاکٹر خیرالنساء)

غزل

تیری ادائیں ہوش اُڑائیں
قسم خدا تجھے بھول نہ جائیں
تو تھا پنچھی اُڑ جو گیا ہے
خوشبو تیری ہوش اُڑائیں
تجھ کو ہوائیں اب راس نہ آئی
تیری فقیری دل کو لبھائیں
تیری وفائیں بھول نہ جاؤں
یادیں تیری راتوں جگائیں
تجھ کو جانا ہی تھا اگر تو
ہم کو اب تو کیوں تڑپائیں
احسان تیرے بھول نہ جاؤں
بعد از مرگ بھی ،جو کرپائیں
راہیؔ تیرا تڑپنا کیوں کر
گلشن اب جو ویران جائیں

غزل

ہم کو بھُلا نہ دینا اۓ دور جانے والے
غم سے نڈھال ہوئے ہیں پیار دینے والے
تجھ پہ کرم کرے خود مولائے کریم
ہم کچھ کر نہ سکے بستر مرگ پہ دُعا دینے والے
کبھی گلا دیکھا آپ سے نہ شکوہ کیا آپ نے
جُدائی سہہ نہ سکوں گا اے درد سہنے والے
کہاں سیکھی تھی پاک بازی آپ نے
قرآن پڑھنے والے اے قرآن کو چومنے والے
نماز پڑھنے والے عابد کہاں گئے ہو
تہجد پہ دُعا کرنے والے اے آذان دینے والے
معلوم تھا تیرے دل میں پیار کتنا ہے
خاموشی سے غم کو سینے سے لگانے والے

غم موت کا نہیں ہے بچھڑنے کا غم ہے
کیوں دور چلے گئے سینے سے لگانے والے
شجر جو کٹا ہے دھوپ کا ڈر ہے اب جو
دُعا کے ذریعے اے سایہ دینے والے
کس کو پکاروں کون ہے اب میرا
نظروں سے نہ ہو اوجھل اے ڈھونڈنے والے
میرے لئے اب تو یہ دنیا قید خانہ ہے
یہ پنجرہ ٹوٹ جائے اے پہرہ دینے والے
راہیؔ کی التجا اب بس یہی ہے
مولا تجھے دئے سایہ اے دُور جانے والے

غزل

تیری جگہ جو خالی پاتے ہیں
دل تار تار ہو جاتے ہیں
راہوں کو یوں ہی تکتے رہتے ہیں
تیری یاد میں آنسوں بہاتے ہیں
ہونٹوں پہ تبسم اور نورانی چہرہ
خوابوں میں نہیں خیالوں میں آتے ہیں
تیری محبت تیری شفقت
دن رات خون کے آنسوں رولاتے ہیں
آپ جب جب بے چین رہتے تھے
یاد ہے مجھے قرآن کو گلے لگاتے ہیں
اب رب کو اُسی قرآن کا واسطہ
جنت دئے تجھے، وہ وعدہ نبھاتے ہیں
جُھک جُھک کے تیرا چلنا
سینے پہ نشتر چلاتے ہیں
ابھی بھی تیرے کمرے کے اور چلتا ہوں
تیری یاد دل میں بساتے ہیں

کمر ٹوٹ جاتا ہے دل روٹھ جاتا ہے
راہیؔ کے قدم جب لحد کے اور جاتے ہیں

غزل

قطرے شبنم کے جمع کئے پیاس بجھانے کیلئے
تبسم کو ہونٹوں پہ آنے دیا غم چھپانے کیلئے
گاہ گاہ محفل میں رہے انجانے جیسے
کانٹوں سے دامن نا چھڑایا دوست رہنے کیلئے
اپنے پر جو کاٹ کے آشیاں میں رہے
تنہا رہنا پسند کیا راز بچانے کیلئے
کھویا ہے یاداشت کبھی غم کی دھوپ میں رہ رہ کے
حالات سے سمجھوتہ کیا زندگی جینے کیلئے
مقدر سے کوئی گلا نہیں مقدر آنی جانی ہے
بندگی تو کر نہ سکے ہم تقدیر بنانے کیلئے
راہیؔ ایسا نہ ہو ، بات ادھوری رہ جائے
پھول اور تارے لانے ویران سجانے کیلئے

❀❀

فکشن تحریر

مل نہ سکے ہم

ویران اور ٹوٹے پھوٹے آشیاں میں جنم لیا اک پروانہ نے، بہار نہیں ابھی پت جھڑ ہی دیکھا، جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی ستاروں کو چھونے کی سوچ رہا تھا۔ اگرچہ بچپن کی خوشیاں نصیب نہ ہوئی تب بھی کانٹوں کی نوک پر ایک پھول کی مانند تھا، والدین کا پیار بھی غربت، لاچاری اور بے بسی کی نظر ہو گیا، بس سمجھو شعلوں میں اک معصوم دل بھی جلتا تھا۔

بہار کی تلاش میں اکیلا اور گُم سُم اپنی اُڑان میں مشغول تھا، اک گلستان کے اوپر اُڑان بھری جہاں پھولوں کی کمی نہ تھی، دور دُور تک خوشبو پھیلی تھی لیکن ایک خاص مہک نے پروانہ کے دل میں ہلچل مچا دی، وہ مہک اک کلی کی تھی جس نے اس گلستان کو چار چاند لگائے تھے، پروانہ نے اسی کلی کے سامنے اپنی پرواز کو رُوکا، کلی کیا ملی معصوم پروانہ کی دُنیا ہی بدلنے لگی، ایک بار پھر ستاروں کو چھونے کی آس لگی، سوکھی آنکھیں، سوکھا جسم سمجھو سوکھے چمن کو خالقِ حقیقی نے اپنی نظرِ رحمت سے سنوارا سدھارا۔ جن آنکھوں میں دُھندلا سا دکھائی دیتا تھا اب اُن آنکھوں میں پھول اور کلیاں نظر آنے لگی، بُلبُلوں کی چہچاہٹ کانوں میں گونجنے لگی۔ مایوس

پروانہ کواب کوئی اُمید نظر آنے لگی ،کانٹوں کی چبھن اب محسوس نہ ہونے لگی ۔الغرض پروانہ اور کلی نے اک دنیا بسانے کی ٹھان لی ،نئے نئے خیالات اوراحساسات نے جنم لینا شروع کیا،اردگرد کے معاشرے نے کلی اور پروانہ کو لیلیٰ مجنون کا نام دیا،لیکن ان معصوم شرین وفرہاد کو تقدیر کی کیا پتہ تھی کہ فرہاد کو پہاڑ کھود کر بھی شرین نہ مل سکی ۔کبھی سہانی چاندنی رات میں یہ دو معصوم جینے کی قسمیں کھا رہے تھے ،کبھی لہلہاتے کھیتوں میں ایک دوسرے کو تکتے رہتے تھے ،کبھی مکتب میں اُستاد کی آنکھوں میں دھول جھونک کر آنکھوں ہی آنکھوں میں پروانہ کلی کو یہ کہتا تھا کہ میں تجھے شمع کی طرح دیکھنا چاہتا ہوں کہ میں تجھ پر قربان ہو جاؤں اور کلی معصوم نظروں سے پروانہ کو یہ سندیشہ دیتی تھی کہ میں تجھے بُلبل کی نظر سے دیکھتی ہوں کہ میں آپ کی چونچ، پیروں اور پروں سے مچل جاؤں ۔دن گزرتے گئے ان دو پریمیوں کا پیار بڑھتا گیا،سُہانے سپنے دیکھتے رہے ان کو کیا معلوم کہ سپنے اپنے نہیں ہوتے ۔لیکن سچا عاشق ہمیشہ معشوق کی یادوں میں کھویا رہتا ہے ۔ہُوا بھی کچھ ایسا ہی کہ معشوقہ طوفان کی لہروں میں کھوئی ،کنارہ کہیں نظر نہ آیا ،عاشق بس اس طوفان میں بھی یادوں کے سہارے یہ اُمید لئے بیٹھا کہ کہیں طوفان تھم جائے اور میں معشوق کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو جاؤں ۔۔۔۔!

طوفان کی ہوا دیرے دیرے چلنے لگی پروانہ اس طوفان کی زد میں دیرے دیرے آنے لگا،کلی سے ملنے گیا،کلی جس نے ایک وقت اپنی مہک سے ماحول کو مہکایا تھا،آج ایک ویران جگہ اُداس بیٹھی پروانہ کو ملی ،ایک بار پھر تھرتھراہٹ ہونٹوں سے ساتھ نبھانے کی قسمیں کھائی۔۔۔۔۔! ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر ایک دوسرے کو درد، پیار، آس بھری اور معصومیت کی نظر سے دیکھنے لگے ،دیرے دیرے ایک دوسرے سے ہاتھ کھنچتے گئے ،نظروں میں نظریں برابر جمتی رہی قدم آہستہ آہستہ دُور ہوتے چلے گے، پیچھے مُڑمُڑ کے ایک دوسرے کو تکتے رہے، آنکھوں سے آنسوں چھلکتے رہے ۔بہرحال معصوم پروانہ کی نظر سے کلی اُوجھل گئی۔

طوفان نے اپنا دامن وسیع کر دیا ان طوفان کی لہروں میں پروانہ گُم ہو گیا،کلی کا نہ

معلوم طوفان نے اُس کے ساتھ کیا سلوک کیا رابطہ پوری طرح کٹ گیا، ایسا لگا جیسے یہ ایک سپنا تھا۔۔۔۔۔۔! ان معصوم پریمیوں کی وادی میں طوفان کھڑا ہوا، ان کی وادی نرغے میں آ گئی۔ پیار و محبت سے دُوران کی وادی جلادوں کی نظر ہوئی، آگ اور شعلوں میں یہ دو معصوم جان دُور دُور تک کہیں نظر نہیں آئے۔ گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا، قیامت کا سماں ہوا۔ ہر ایک بس اپنی جان کی فکر میں لگا رہا، خون اور پانی ایک ساتھ بہنے لگا۔ زمانہ بیت گیا کوئی کسی کو یاد نہ رہا اس گردش زمانہ میں چہیتی کلی کی طرح کتنی کلیوں کو نوچ کر بہایا گیا اور پسندیدہ پروانہ کی طرح کتنے پروانوں کے پر کاٹ دئے گئے، اس طرح کتنے معصوموں کی دُنیا اُجڑ چکی، زندہ تو رہے لیکن مرجھے ہوئے پھولوں کی طرح۔

بچپن کے کھلونے ٹوٹ گئے، کلی کا نہ معلوم اُس پہ کیا گزری۔ جوانی طوفان کے لہروں میں اُلجھ گئی، چھپا چھپی کھیل نہ تھمنے والا نظر آیا، سب کچھ لُٹ گیا۔ پروانہ کے دل میں بچپن کی یادیں اس طرح سمیٹ گئی تھی کہ چھوٹنے کا نام نہ لیتی۔ پروانہ جب بھی کہیں اپنے بچپن کی ڈائری کھولتا جن کے ورق دُھول اور گردا میں جم چکے تھے، یادوں کے انبار نظر آتے تھے۔ کاپی میں بھیجے گئے پھول سوکھ چکے تھے بلکہ راکھ میں تبدیل ہوئے تھے۔ وہ بچپن کے خط ڈائری میں زرد ہو چکے تھے لکھائی کچھ دُھندلی سی نظر آتی تھی جن کو پڑھ کر آنسوؤں نے خنجر بن کر دل کے ٹکڑے کر دئے۔ جب یہ پرانی یادیں جگر کو کاٹنے لگی، ملنے کی کوئی آس نظر نہیں آئی تو پروانہ نے ان پُرانی یادوں کو جو خطوط کی صورت میں تھی کاٹ کر جلا دیا، لیکن جلا کر یہ یادیں شعلوں کی طرح اور تڑپانے لگی پروانہ مجبور ہو کر ان کاغذ کے ٹکڑوں کو جو آدھ جلے تھے پلکوں سے اُٹھالیا اور معدے میں دفن کر لیا جن کے باقیات اب تک معدے کے رستے سے دل تک پہنچ گئے اور خون میں جا ملے جو بار بار دل کو تڑپاتے رہتے ہیں۔ اس طرح پروانہ زندہ تو ہے لیکن مردہ کی حالت میں کسی کو کہنے کے لائق نہ دردسہنے کے لائق۔۔۔۔۔۔!

پروانہ کی کانوں میں ایک دن یہ آواز گونجی کہ کلی کی حالت بھی ٹھیک نہیں وہ بھی ظالم

زمانے کی نظر ہوگئی، کسی نے نہیں اپنایا نوچ کر پھینک دیا زندہ تو ہے لیکن نعش جیسی۔ پروانہ ایک بار پھر سُہانے سپنے دیکھنے لگا، لیکن طوفان جو نہ تھمنے والا تھا، ان دونوں کو اور دُور پھینک کر اپنی بد مستی میں گھومنے لگا۔

بڑی مُدت بعد۔۔!

جب یہ کلی اور پروانہ ایک بھیڑ میں ملے تب بہت دیر ہو چکی تھی، بُڑھاپا اپنا اثر دکھا چکا تھا۔بس پروانہ یہ گنگناتے رہا کہ:۔

بیتے ہوئے دن مُڑ کے آنا نا ممکن
جلتے ہوئے بدن ،سوکھی آنکھیں ہیں ساکن
یادیں سب ہوئی پُرانی، کیوں تیری یاد ہے تازہ
من میں ہوئی ہل چل جب یاد آئے تیرے دن
بچپن جوانی کھوئی ،آس بھی اب سوئی
معلوم مگر پھر بھی،چین نہیں ہے تیرے بن
بچپن کی وہ شوخیاں پیارے پیارے سپنے
سکھیوں کے سنگ انتظار،جھومنا جیسا ناگن
روٹھ کے لکھنا خط تیرا اور پیارا پیارا شکوہ
راہیؔ یاد ہے تجھ کو معصوم چہرہ اور تھی کم سن

مدینہ طیبہ میں تعزیتی مجلس کا انعقاد

القصوی للسفر کے اہتمام سے مدینہ طیبہ میں جمعیت علماء اہلسنت والجماعت جموں و کشمیر کے سیکریٹری مولانا شیخ عبدالقیوم قاسمی مہتمم دارالعلوم شیری بارہمولہ کے والد نسبتی محترم بخشی عبدالمجید صاحب کے انتقال کے سلسلے میں ایک تعزیتی مجلس منعقد ہوئی جس میں بخشی صاحب کو خراج عقیدت پیش کیا گیا اور اُن کے حق میں دُعاء مغفرت کی گئی اس موقعہ پر مفتی محمد سلطان صاحب گریزی اُستاد سراج العلوم نواب بازار محلّہ سرینگر نے فلسفہ موت پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے بخشی صاحب کو خوش نصیب قرار دیا کہ اُنہیں مسجد نبویؐ میں یاد کیا گیا۔ بخشی صاحب کے داماد مولانا شیخ عبدالقیوم قاسمی صاحب مع اپنی اہلیہ مرحوم کی سب سے بڑی دختر نیک اختر کے اس تعزیتی مجلس میں بنفس نفیس موجود تھے۔ القصوی للسفر کے مالک مولانا طارق احمد شاہ صاحب اوران کے چچا جان مولانا جلال الدین صاحب و دیگر معتمرین نے بھی مرحوم کو خراج عقیدت پیش کیا اور پسماندگان کیلئے صبر جمیل کی دُعا کی۔ بخشی صاحب کی بڑی بیٹی اور داماد نے القصوی للسفر اور معتمرین کا مسجد نبوی علی صاحبھا الصلوۃ والتسلیم میں مرحوم کو یاد کرنے پر ان کا شکریہ ادا کیا۔

القصوی للسفر لخدمت الحجاج والمعتمرین

جدہ السعودیہ العربیہ

آہ! عبدالمجید بخشی

عبدالمجید بخشی صاحب کواللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں سے نوازے سال رواں میں ہی میرا گذران کے دولت خانہ سے ہوا اور شرفِ ملاقات نصیب ہوا، میں نے جس وقت عبدالمجید بخشی صاحب کو دیکھا وہ وقت سہانا تھا، باصلاحیت اوراعلیٰ اخلاقی قدروں سے سرشار قد بلند، خوبصورت نورانی چہرہ اور باریش بزرگ شخص نے مسکراتے ہوئے مجھ سے زندگی کے تجربات پر تبصرہ کیا۔ مہمان نوازی کی ایک الگ وضع قطع سے سرفراز عبدالمجید بخشی صاحب نے چند لمحات میں ہی اپنی بہترین زندگی اور گذرے وقت کی روداد ایک کھلی کتاب کی طرح میرے روبرو رکھی۔ آج عبدالمجید بخشی صاحب کی وفات پانے کی خبر سُنی تو ان کا وہ نرالا انداز اور عظیم شخصیت کے وہ نقوش اوران کی بازگشت آئینے کی طرح صاف اورعیاں ہوئے۔

آہ۔ عظیم شخص تھا، نیک اور بااخلاق تھا۔ مہمان نواز اور خوب رو تھا، حسن اخلاق اوراو صافِ حمیدہ کی ایک جاگتی مثال تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں مقام عطا فرمائے، ان کی آخری منزل آسان ہو اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنی نوازشوں سے نوازے۔ عبدالمجید بخشی صاحب کی یاد ہردم تازہ ہے۔ بخشی خاندان کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی اللہ تعالیٰ توفیق دے اور بخشی خاندان کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے تعزت ہے۔

ساگر مشتاق

کہانی کچھ تصویروں کی زبانی

































جنگلات کے تحفظ کے لئے ذمہ داروں کی ضرورت ہے

جنگلات جو کہ جموں وکشمیر کی بہتر معیشت اور ساز گار ماحول کیلئے ریڈ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں جنگلات کو عرف عام میں سبز سونا کہا جاتا ہے بلکہ حق تو یہ ہے کہ جنگلات سونا ہی نہیں بلکہ سونے سے بھی زیادہ قیمتی سرمایہ ہے۔ جنگلات کی دیکھ ریکھ، تحفظ وبقا میں عام لوگوں کے ساتھ ساتھ محکمہ ٔ جنگلات سے وابستہ ملازمین کا کلیدی رول بنتا ہے۔محکمہ ٔ جنگلات میں جہاں اوسط درجہ سے اعلی درجہ کے باصلاحیت وتعلیم یافتہ فرزندان کشمیر مصروف خدمت ہیں وہیں اس میں ایسے اصحاب فہم وفراست اور اصحاب بصیرت بھی موجود ہیں جو اپنی خداداد صلاحیتوں، علمی وتعلیمی کاوشوں اور افکار ونظریات سے عام لوگوں اور محکمہ ٔ جنگلات سے وابستہ عہدہ داروں وذمداروں کو بیداری واحساس ذمداری کا درس دیتے رہتے ہیں۔انہی میں سے ایک معروف نام بخشی مشتاق احمد چوگلی کا بھی جو خود بھی محکمہ ٔ جنگلات میں فارسٹ پروٹیکشن فورس کا ایک ایمان دار اور محنت کش وفرض شناس اعلی تعلیم یافتہ اور قلم کار ملازم ہے انہی جیسے لوگوں کے لئے شیخ سعدی نے فرمایا ہے کہ،، کسی جھاڑی کو خالی نہ سمجھو ممکن ہے کہ اس کے نیچے تیندوا (شیر) سویا ہو، محترم بخشی مشتاق احمد چوگلی صاحب گاہے گاہے جنگلات کے تحفظ وبقا،

استحقام و پھیلاؤ اور جنگلات کے متعلق عوام وخواص کی ذمہ داروں کے متعلق لکھتے رہتے ہیں جس کی تازہ مثال موصوف کا تازہ مضمون، جنگلات ہمارا قومی سرمایہ، نامساعد حالات میں اس کی حفاظت کرنا ہماری ذمہ داری ہے جو کہ مؤرخہ 22 اگست 2016 کو روزنامہ تعمیل ارشاد کے صفحہ نمبر 5 پر شائع ہوا تھا۔ اس مضمون مین شامل قلم کار کی مؤقر رائے کو اپناتے ہوئے اگلے ہی روز فارسٹ کنزرویٹر نارتھ کشمیر کی ہدایات پر ڈی ایف او کمراج نے جنگلات کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لئے اوقاف کمیٹیوں اور ذی شعور افراد سے بذریعہ روزنامہ تعمیل ارشاد تعاون کی اپیل کی۔ ہم پورے محکمۂ جنگلات بالخصوص چیف کنزرویٹر کشمیر، کنزرویٹر نارتھ، سٹیٹ صدر نان گزیٹیڈ فارسٹ آفیسرس ایسوشن، پروینجنل صدر۔ ڈی ایف او کمراج، ڈی ایف او کہمل، ڈی ایف او جے وی، ڈی ایف اولنگیٹ، ڈی ایف او سندھ ڈویژن گاندربل، ڈی ایف کلگام، کارڈنیٹر سوتھ سرکل، کارڈنیٹر نارتھ سرکل، کارڈنیٹر سرینگر سرکل، پریزیڈنٹ راجوری، پریزیڈنٹ پونچھ، پرزیڈنٹ بھدروہ وغیرہ کی طرف سے محترم بخشی مشتاق احمد صاحب کو دل کی عمیق گہرایوں سے مبارکباد کہتے ہوئے شکریہ ادا کرتے ہیں اور ہم سب دعا گو ہیں کہ جنگلات اور محکمۂ جنگلات کے تئیں آپ کی کوشش اور کاوشیں بارآور ثابت ہوں۔ ہم فخر محسوس کرتے ہیں کی ہمارے جنگلوں میں ایسے بہادر شیر و سپاہی موجود ہیں جو اپنے مضامین میں جنگلوں کی افادیت، خوبصورتی اور بچاؤ کے ساتھ ساتھ ملازمین کے حقوق کے تحفظ کا بھی پورا پورا خیال رکھتے ہیں۔

شیخ بشیر

سٹیٹ صدر NGFOA

❁❁



TO WHOM IT MAY CONCERN.

Certified that the official (Mushtaq Ahmad Bakshi S/o Ab. Majid Bakshi R/o Maidan Chogul Tehsil Handwara District Kupwara Kashmir, besides his own work is writing articles in largely circulated news papers of Kashmir region and his writing reveals that the official always take up the mater about the forests, its conservation etc. This writing boost the morale of forest officers.

His writing is based on facts and its appreciated to a large extent. He always worked for the upliftment of forests by way of his articles. He is having knowledge of forests, its geographical vocabulary is lauded by the undersigned.

Such officials required appreciation and encouragement. Wish him a success in future and I hope that he would work in future with more zeal and zest.

Deputy Director
Forest Protection Force
Baramulla.

DEPUTY DIRECTOR
Forest Protection Force
BARAMULLA



والد صاحب کی آخری آرام گاہ

BASTI BASTI JANGAL JANGAL

مصنف ایک نظر میں



نام : [illegible]

قلمی نام : [illegible]

ولدیت : [illegible]

پتہ : [illegible]

تعلیم : [illegible]

مشغلہ : [illegible]

ملازمت : [illegible]

[illegible] : [illegible]

[illegible]

[illegible] : [illegible]

سکونت : [illegible] 193221

[illegible] : [illegible]

ای میل : [illegible]@gmail.com